٤/١٤
٢٠١٢

مُعلّم انقلاب

خانهٔ فرهنگ جمهوری اسلامی ایران حیدرآباد - سند

بسم الله الرحمن الرحيم

نام کتاب	معلم انقلاب Teacher of the Revolution
ترجمہ	سید ذوالفقار علی زیدی
سال	طبع ۱۳۷۵ھ ش ۱۹۹۶ء
ناشر	خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران حیدرآباد سندھ

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
مقدمہ	
(۱) استاد شہید مطہری کی شہادت پر امام کا پیغام تعزیت	9
(۲) میرے شہید باپ	13
(۳) آپ کی شہادت کی کیفیت	30
(۴) استاد کی شہادت کا ایک تجزیہ	35
(۵) مدرسہ فیضیہ میں امام رحمۃ اللہ علیہ کا تعزیتی خطاب	53
(۶) English Section- "Teacher of the Revolution	1

باسمہ تعالیٰ

مقدمہ

یہ کتاب جو آپ کے پیش نظر ہے سوانح عمری ہے چھوٹی مگر خوب صورت خلاصہ ہے زندگی کا اس ہستی کی جو مکتب عرفان و ہستی کا فارغ التحصیل تھا ۔ رزم ہے زندہ رہنے کے فن سے لے کر جان دینے تک کے ہنر تک

ایک ایسی رزمیہ داستان جس کی وسعت تاریخ و تمدن اور فرہنگ کے افق پر انسان کے لیے ایک نئے سورج طلوع ہونے کا پیغام ہے وہ جو انسانی اور اسلامی افکار اور وجود ہستی کو گہرائی تک جاتا ہے وہ فکر کہ جس کی کوئی قیمت نہیں اور صرف اصولوں پر سودہ بازی نہیں کی اور اپنی کم مگر بابرکت عمر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ نصف اپنے لیے اور نصف عام لوگوں کے لیے ۔ انکی زندگی کا پہلا حصہ اپنے آپ سے لاتعلقی اور خدا سے تعلق جوڑ کر من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کی منزل رکھتا ہے کیونکہ وہ سمجھ لیتے ہیں کہ نسلوں کو اوج اور عروج عطا کرنے کا یہ کام ان کے کندھوں پر ہے اور یہ مرحلہ قربان گاہ عشق تک پہنچتا ہے کہ جہاں زندہ رہنے کا فن اور جان دینے کا ہنر ابدی معنی پیدا کرتا ہے۔

انقلاب اسلامی کا یہ عظیم شہید ، مرد تاریخ حضرت امام خمینیؒ کی

عمر بھر کی کمائی بھی ہے جنھوں نے دنیا میں اسلام حقیقی کو متعارف کروایا ، یہ شہید کہ جس کا اس چمن انقلاب اسلامی کی آبیاری میں بھی بڑا حصہ تھا ، اور اس دوران جب اس چمن کے غنچوں نے کھلنا شروع کیا یہ باغبان اندھے دل دشمنوں کے حملے کا نشانہ بنتا ہے اور انکے غضب کا تیر اس بزرگ مفکر کو نشانہ بناتا ہے جو اسلامی اور انقلابی رنگ و بو کی آڑ میں لیبرل ازم ، کیپٹل ازم ، مارکس ازم اور لینن ازم جیسے نظاموں کے قیام میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔

یہ شہید جس نے اس جہان ہستی سے اپنا منہ موڑ لیا اور ایک ابدی سفر کی طرف قدم بڑھایا ہے لیکن اس کے افکار اور روشن سوچیں پوری دنیا کے راہ حق کے متلاشی اور رہرو افراد کے لیے چاہے وہ کسی بھی گروہ یا مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں۔ ایک مشعل کی مانند ہمیشہ روشن اور فروزاں رہیں گے۔

یہ ہے اس علم و صحبت کا حاصل جو اس شہید نے امام خمینیؒ علامہ طباطبائیؒ مرحوم آیۃ اللہ بروجردی سے بخوبی اخذ کیا اور بخوبی سکھایا۔

یہ کتاب علم انقلاب " جو پہلے کل پاکستان شہید مطہریؒ سیمینار " کے حوالے سے استاد شہید کے افکار و نظریات کی بدرسی کے بعد پاکستان میں تدوین ہوئی ہے۔ دو ابواب پر مشتمل ہے ۔ پہلا باب شہید کی سوانح عمری ہے جو ایک آسان ترین اور نزدیک ترین ہستی یعنی شہید کے فرزند ارجمند کی زبانی ہے تاکہ اس مرد بزرگ کی روشن اور منور زندگی کو مختلف

زاویوں سے عام لوگوں کے لیے مقام درس بنایا جاسکے۔

کتاب کا دوسرا باب آپ کے اعتقادی اور عقیدتی نظریات اور سانحہ شہادت پر ایک نظر ہے اور انگلش میں تدوین ہوا ہے جو شاید آپ کے افکار کے مختصر تعارف میں ممدو و معاون ثابت ہو۔

امید ہے کہ یہ نئی کاوش دانشمندوں، علماء اور معلمین کے لیے اس مفکر واقعی اسلام کی شناخت کا بہترین وسیلہ ثابت ہوگی۔

استاد کی اپنے خون سے ہموار کردہ یہ راہ حق کے متلاشیوں کے لیے ہمیشہ چمکتی دمکتی سلامت قائم رہے۔

سید محمد خلیلی

ڈائریکٹر جنرل

خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران

حیدرآباد سندھ

۲۶ / ۲ / ۷۵

۱۰ مئی ۱۹۹۶ء

استاد شہید آیۃ اللہ مطہری کی شہادت پر امام خمینی کا پیغام تعزیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرا ایک عزیز بیٹا جو کہ میرے جسم کا
ایک حصہ تھا۔ میں نے اسے گنوا دیا۔

میں اسلام، علمائے اعلام اسلام، امت مسلمہ اور بالخصوص ایران کی مجاہد ملت کی خدمت میں فقیہہ عالی مقام عظیم فلسفی اور مفکر و حکیم اسلام جناب مرحوم آقائے شیخ مرتضیٰ مطہری شہید (قدس سرہ) کی اندوہناک رحلت پر دلی تعزیت عرض کرتا ہوں اور (شہید کی روح کو اس فوز عظیم پر) ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔

یہ تعزیت میں اس عظیم انسان کی شہادت پر پیش کر رہا ہوں جس نے اپنی عمر عزیز اسلام کے مقدس اہداف کے حصول کی جدوجہد میں صرف کی اور بے راہ رویوں اور انحرافات کے خلاف پوری سخت جانی سے نبرد آزما رہا۔

یہ تعزیت میں اس بطل جلیل کی جانکاہ شہادت پر پیش کر رہا ہوں جو دین اسلام اور اس کے مختلف علوم میں تبحر اور قرآن حکیم کے حقائق کی بصیرت و معرفت میں اس کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔

میں اپنے عزیز ترین فرزند کے لیے سوگ نشیں ہوں جو میری عمر کا حاصل تھا۔ اس دانش مند عالم کی شہادت سے عالم اسلام میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے جسے پر کرنا ممکن نہیں۔ ایسی فداکار شخصیتوں کا وجود ہمارے لیے باعث عزت و افتخار ہے جو زندگی میں بھی اور زندگی کے بعد بھی اپنے علم و عرفان کی نورپاشیوں اور ضیاباریوں سے دنیا کو روشن کر رہی ہیں۔ میں ایسے فرزند کی تربیت پر جس نے اپنی نورانی تبلیغات سے مردہ روحوں کو زندگی بخشی اور جہالت کی تاریکیوں کو اپنے علم کی شمع فروزاں سے منور کیا، آغوش اسلام کو سلام کہتا ہوں اور تہہ دل سے اسے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ میں نے اگرچہ ایک ایسا فرزند کھویا ہے جو میرے بدن کا ٹکڑا تھا۔ لیکن یہ حقیقت میرے لیے سرمایہ صد افتخار و تشکر ہے کہ ہم میں زمانہ صدر اسلام کی طرح اب بھی مطہری شہید جیسے عظیم اور اعلیٰ کردار افراد موجود ہیں۔

مطہری مرحوم جو روح کی طہارت و پاکیزگی، قوت ایمان اور شوکت بیان میں بے نظیر تھے، ہم سے رخصت ہو کر اعلیٰ علیین میں رحمت حق تعالیٰ سے جا ملے ہیں۔ لیکن بدخواہوں کو خوب جان لینا چاہیے کہ ان کی رحلت کے بعد بھی ان کی اسلامی شخصیت اپنی پوری عظمتوں کے ساتھ زندہ ہے اور یہ دہشت گردیاں اور کشت و قتل ایسی شخصیتوں کو ختم نہیں کر سکتے۔ ان شرور شیطانی کے مدبروں کو سمجھ لینا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ و توانا کے فضل و کرم سے ہماری ملت کا عزم صمیم ایسی عظیم

شخصیتوں کو کھو کر فساد اور استبداد و استعمار کی بیخ کنی کے لیے مزید محکم و استوار ہو جاتا ہے۔ ہماری ملت نے اپنی راہ پالی ہے اور اب وہ شاہ معدوم کی منحوس و مذموم حکومت کی جڑیں کاٹنے، اس کے ایجنٹوں کو نابود کرنے اور اس کے آثار کو محو کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرے گی۔ اسلام کا دستور زمانہ وحی سے لے کر آج تک شہادت و شہامت پر قائم رہا ہے اور راہ خدا اور حمایت مستضعفین میں جان دینا ہمیشہ سے اس کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے۔ " **وما لکم لاتقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان** "

باطل پرستوں نے اب نوشتہ دیوار پڑھ لیا ہے اور وہ خوب سمجھ چکے ہیں کہ ان کی زندگی کے دن اب گنے جا چکے ہیں۔ اب وہ جنون انتقام میں اندھے ہو کر غیر انسانی سلوک پر اتر آئے ہیں اور اس طرح سے وہ اپنے زعم باطل میں مجاہدین اسلام کو خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ ان کی بہت بڑی بھول ہے۔ انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے شہیدوں کے بدن کے ہر بال سے اور اس سے ٹپکنے والے مقدس خون کے ہر قطرے سے ایک پختہ عزم مجاہد پیدا ہوتا ہے۔

تم اس عظیم و بہادر قوم کے کتنے ہی سرفروشوں کو قتل کر ڈالو لیکن ہمارے بڑے سے بڑے مجاہد کے بہیمانہ قتل سے بھی تمہارے غارت گری کے اہداف پورے نہ ہوں گے۔ یہ ملت جو خدائے بزرگ و برتر پر اعتماد کر کے احیائے اسلام کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی ہے، تمھاری اس

قسم کی بزدلانہ کوششوں سے پسپا نہیں ہوگی۔

ہم راہ خدا میں ہر قسم کی قربانی اور شہادت کے لیے آمادہ اور کمر بستہ ہیں۔ میں جمعرات ۱۳ اردیبہشت ۵۸ کو اسلام کے اس شہید بطل حریت کی فداکار شخصیت کے احترام میں عمومی سوگ کا اعلان کرتا ہوں اور جمعرات اور جمعہ کے روز خود مدرسہ فیضیہ میں شہید عزیز کے غم میں سوگ نشیں ہوں گا۔

اللہ تعالی سے میں اسلام کے اس عظیم و عزیز فرزند کے لیے رحمت و مغفرت کا طالب ہوں اور اسلام عزیز کے لیے عظمت اور عزت و شوکت کی دعا کرتا ہوں۔

میرا سلام ہو حق و آزادی کی راہ کے شہداء پر

(روح اللہ الموسوی الخمینی)

باسمه تعالیٰ

"میرے شہید باپ"

"مجتبیٰ مطہری"

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربهم یرزقون " سورہ آل عمران ۱۵۹ "

میرے والد نے ۱۲۹۹ ہجری شمسی میں بہ مطابق جمادی الثانی ۱۳۳۸ ہجری قمری کو خراسان کے ایک مضافات فریمان میں ولادت پائی۔ آپ کے والد شیخ محمد حسین مطہری مرحوم اس علاقے کی ایک محترم شخصیت تھے جنہیں تمام معاشرتی طبقات میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

شیخ محمد حسین نے اپنی اسلامی تعلیمات عراق کے شہر نجف اشرف سے تکمیل کی تھی عراق، مصر اور عربستان میں مدتوں تک رہنے کے بعد اپنی جائے پیدائش فریمان واپس لوٹ آئے اور یہیں پر دین مبین کی ترویج میں اپنی زندگی گزاری۔ آپ بہت مخلص، پرہیزگار، اور عارف شخص تھے۔ میرے والد کی پرورش ایک ایسے انسان نے کی جن کے بارے میں خود میرے والد اپنی کتاب داستان راستان میں یوں لکھا ہے "میں اپنی اس ناچیز کتاب کو اپنے پدر بزرگوار آقای الحاج الشیخ محمد حسین مطہری دامت برکاتہ کے نام ہدیہ کرتا ہوں جنھوں نے اولین بار مجھے براہ راست

ایمان، تقوی عمل صالح اور سچائی سے آشنا کیا۔"

میرے والد محترم نے اپنی ابتدائی تعلیم فریحان کے مدرسے سے شروع کی۔ گزشتہ زمانے کے مدرسے جو گھروں میں ہوتے تھے، اور مکتب والوں کے ذریعے ان کا نظام چلتا تھا۔ ان مدارس میں پڑھنے لکھنے کے علاوہ عربی کے مقدمات اور قرآن کریم کی چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھائی جاتی تھیں۔

آپ ابتدا سے ہی علم حاصل کرنے میں زیادہ شوق و ذوق اور قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔ ساتھ ہی بہت زیادہ فہم و فراست کے مالک تھے اسی وجہ سے نوجوانی کے بہار کے آغاز میں ہی علوم اسلامی کے حصول اور طالب علمی سے لگاؤ نے آپ کی روح میں موج پیدا کی۔ ۱۳۱۱ ہجری شمسی میں آپ ۱۲ سال کی عمر میں مشہد چلے گئے۔ اور علوم اسلامی کے مقدمات، منطق، فلسفہ ادبیات عربی اور حقوق اسلامی کو وہیں پر حاصل کیا۔

اس دوران آپ کے اندر فلسفہ الہی، ہستی کی توجیہ، عرفان و توحید سے متعلق اور خدا شناسی سے متعلق موضوعات کے بارے میں خاص ذوق و شوق پیدا ہوا اور آرزو کرنے لگے کہ آئندہ اسی موضوع پر تخصص حاصل کریں گے۔

آپ فرماتے ہیں مجھے یاد ہے کہ جس وقت مشہد میں میں مقدمات پڑھتا تھا اور طالب علمی کی ابتدا تھی اس وقت اگرچہ میں فلسفیوں، عارفوں اور اہل کلام کے افکار و نظریات سے آشنا نہیں تھا لیکن دوسرے

سے علماء اور موحدین کی نسبت یہ لوگ میری نظروں میں عظیم تر تھے۔ اس وجہ سے میں ان لوگوں کو علمی میدان کے ہیرو قرار دیتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اپنی عمر کے انہی ایام میں جب کہ میری عمر ۱۳ - ۱۵ سال تھی حوزہ علمیہ مشہد مقدس میں اتنے سارے علمی فضلاء اور اساتذہ تھے مگر میں ایک شخص کو دوسرے تمام علماء اور اساتذہ پر ترجیح دیتا تھا۔ اور میرے لیے وہ سب سے بڑھ کر عظیم نظر آتے تھے میں ان کے چہرے کی طرف دیکھتا اور ان کی تمام حرکات و سکنات کا بغور مطالعہ کرتا تھا اور یہ آرزو کرتا تھا کہ خدا کرے میرے لیے وہ دن آئے کہ میں اس عظیم ہستی کے سامنے زانوے ادب تہہ کروں اور یہ ہستی مرحوم آقا میرزا مہدی شہیدی رضوی کی تھی، جو اس وقت حوزہ مشہد کے مدرس تھے۔ لیکن میری یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ کیونکہ آپ ۱۳۵۵ میں وفات پا گئے"

میرے والد ۱۳۱۶ کو قم تشریف لے گئے جو اس وقت کے گنجان آباد شہر کی نسبت چھوٹا تھا۔ اس وقت آپ سترہ سال کے نوجوان تھے مگر علوم اسلامی کی تحصیل میں کچھ غیر معمولی شوق و ذوق کا شعلہ بھڑکا ہوا تھا اس زمانے میں اس شہر میں طلبہ کی تعداد ۴۰۰ سے زیادہ نہیں تھی آپ کے قم آنے کے زمانے میں یہاں کے مشہور اساتذہ اور معروف علمی شخصیات خواہ علمیہ کی سرپرستی کر رہی تھیں اور یہ حوزہ علمیہ مشہور عالم شیخ عبدالکریم حایری کے ذریعے قائم ہوا تھا، آیۃ اللہ محقق داماد، آیۃ اللہ سید محمد حجت، اور آیۃ اللہ صدر رضوان اللہ علیہم اس وقت حوزہ کی زعامت کے حامل تھے۔

آپ نے ان تین عظیم علماء کے دروس فقہ اصول فقہ سے کافی فیض حاصل کیا۔ آپ مدرسہ کے ایک حجرہ میں رہ کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔

آپ کے حجرہ کے ساتھی عظیم فقیہ و عالم، مجاہد حضرت آیۃ اللہ منتظری تھے میرے والد آپ کے ساتھ شدید لگاؤ رکھتے تھے۔ اور کبھی کبھی اپنی طالب علمی کے زمانے کی ان سے متعلق شیریں یادداشتیں سناتے تھے۔

۱۳۱۹ ہجری شمسی میں عظیم عالم حکیم اور فقیہہ حضرت آیۃ اللہ خمینی کے درس میں پہنچے جہاں آپ نے ۱۲ سال تک عرفان، فلسفہ اور دوسرے علوم کا ایک وافر حصہ حاصل کیا۔

آپ اجازت دیں تو الہی فلسفہ کے بارے میں آپ کا ذوق و شوق خود آپ کی زبانی عرض کروں۔

" قم ہجرت کرنے کے بعد میں نے اپنے گمشدہ کو ایک اور شخصیت کے اندر پایا اور سوچنے لگا کہ میری پیاسی روح اس شفاف اور صاف سرچشمے سے سیراب ہو گی۔ اگرچہ قم ہجرت کی ابتدا میں مقدمات" سے فارغ نہیں ہوا تھا اور معقولات میں دخل دینے کی استعداد بھی نہیں تھی لیکن میری محبوب شخصیت کے اخلاقی دروس جو ہر جمعہ اور جمعرات کی شب کو ہوتے تھے درحقیقت سیر و سلوک اور عرفان کے دروس تھے یہ خشک مفاہیم نہیں تھے بلکہ مجھے سرمست کرتے تھے۔ بغیر کسی مبالغہ کے کہتا ہوں کہ یہ دروس مجھے اس قدر وجد میں لاتے تھے کہ دوسرے ہفتے کے

منگل اور پیر تک ان کی تاثیر مجھ پر رہتی تھی یہ سلسلہ مسلسل بارہ سال تک رہا۔ میری فکری اور روحانی شخصیت کا ایک اہم حصہ ان دروس اور بعد میں دوسرے دروس جو بارہ سال تک میں حاصل کرتا رہا ہوں۔ کامدیون سمجھتا ہوں۔ واقعاً آپ قدس الٰہی کی روح تھے۔"

۱۳۲۳ ہجری شمسی میں حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ نے قم کے اساتذہ اور علما کی درخواست پر اپنے ہاں سے قم کی طرف ہجرت کی اور یہاں آکر فقہ اصول اور دوسرے تمام اسلامی علوم کی تحقیق و تدریس میں مشغول ہو گیا اور آپ کے درس کی کلاس میں قم کے اول درجہ کے اساتذہ علما اور حوزہ کے صف اول کے افراد شرکت کرتے تھے۔ والد بزرگوار نے فلسفہ و عرفان کے دروس کے حصول کے ساتھ ہی آٹھ سال تک ۱۳۲۳ ۔ ۱۳۳۱) ہجری شمسی تک اس عظیم روحانی عالم سے فیض حاصل کیا۔ اور ہمیں کبھی اپنی باتوں میں یاد کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ۔ میں جب تک فقہ اور اصول میں اجتہاد کے درجے تک نہیں پہنچا تھا تو حضرت آیۃ اللہ بروجردی کی تقلید کرتا تھا"۔

آپ اپنی نوجوانی میں اپنے افکار و نظریات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ دو سال ۱۳۲۳ ہجری شمسی میں علوم عقلی کے حصول کی ابتدا کی اور ہمیشہ میں اپنے رجحان کا احساس کرتا رہا کہ مادہ پرستوں کے نظریات اور ان کی منطق کو قریب سے جان سکوں اور ان کے عقاید و آراء کو خود ان کی کتابوں میں پڑھوں۔

مجھے وقت کے ساتھ یاد نہیں شاید ۱۳۲۵ ہجری شمسی کا سال تھا کہ حزب تودہ کی کچھ کتابیں ایران میں فارسی میں اور مصر میں عربی میں چھپیں جنھیں میں نے پڑھا۔ ڈاکٹر تقی ارانی کی تقریبا تمام کتابوں میں سے جو بھی ملیں ان کا عمیق مطالعہ کرتا تھا ۔ چونکہ اس وقت میں فلسفی اصطلاحات سے واقف نہیں تھا اس لیے ان کتابوں کے پڑھنے میں مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے مطالب کا سمجھنا میرے لیے دشوار تھا اس لیے میں انھیں پڑھتا اور ان کے نوٹس لکھ لیتا تھا بار بار پڑھتا اور نوٹس لیتا تھا اور دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرتا تھا ۔ میں نے ارانی کی بعض کتابوں کو اس قدر زیادہ مرتبہ پڑھا کہ ان کے جملے تک مجھے یاد ہو گئے تھے اور میرے ذہن میں نقش ہو چکے تھے۔

۱۳۲۹ یا ۱۳۳۰ کی بات ہے کہ جارج پولیسٹر کی کتاب " فلسفہ کے مقدماتی اصول " میرے ہاتھ لگی جو پیرس کے ایک کالج کے استاد تھے۔ اس کتاب کے مطالب کو حفظ کرنے کے لیے میں نے اس کتاب کا خلاصہ کرکے اسے لکھ لیا ۔ آج بھی اس کا خلاصہ اور ارانی کی کتب کے نوٹس میرے پاس محفوظ ہیں۔

۱۳۲۹ ہجری شمسی میں حضرت استاد کبیر علامہ طباطبائی کے درس میں شرکت کی جو چند سال ہوئے قم آئے ہوئے تھے اور اس قدر ان کی معرفت لوگوں کو نہیں تھی ۔ میں نے آپ سے بو علی سینا کے فلسفے کو پڑھا اور ایک خصوصی درس میں جسے آپ نے فلسفہ مادی پر تحقیق کے

لیے تشکیل دیا تھا اس میں بھی شرکت کی۔ اور کتاب " روش تاسیم " کی بنیاد اس بابرکت مجالس درس میں رکھی گئی ۔ جو آخری بیس سالوں میں ایرانیوں کے لیے مادی فلسفے کے بے بنیاد ہونے کو ثابت کرنے والی قرار پائی۔"

میں ان دنوں بڑے شوق و ذوق اور کچھ زیادہ لگاؤ کے ساتھ انہی فلسفہ کے بارے میں تحقیق کر رہا تھا انھی دنوں جب کہ میں قم میں ہی تھا مجھے قطعی طور پر یقین حاصل ہو گیا کہ مادی فلسفہ حقیقت میں کوئی فلسفہ ہی نہیں اور جو بھی شخص گہرائی کے ساتھ الاھی فلسفے کو جان لیتا ہے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ تمام مادی افکار اور نظریات نقش برآب دیکھتا ہے۔ آج تک جبکہ بیس سال گزر رہے ہیں یعنی آج ۱۳۵۶ تک میں ان دونوں فلسفوں کے مطالعے سے فارغ نہیں ہوا ہوں ۔ اور دن بدن میرے عقیدے کی تائید ہو جاتی ہے کہ مادی فلسفہ ان لوگوں کا فلسفہ ہے جو فلسفہ نہیں جانتے ہیں۔"

میرے والد بزرگوار کی روحانی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ اسلامی دانشمندوں علماء خصوصاً شیعہ علماء جیسے شیخ انصاری ، علامہ مجلسی ، شیخ طوسی ، مرحوم حاج ملا ھادی سبزواری ، بو علی سینا اور عرفاء اسلامی حافظ ، مولوی ، رومی سے بہت زیادہ لگاؤ رکھتے تھے۔

لیکن ان تمام میں صدرالمتالھین شیرازی اور مرحوم آخوند کے ساتھ ایک خاص بے لوث عشق اور عقیدت رکھتے تھے۔ آپ کبھی کبھی

ان اشعار کو گنگناتے تھے جو میر داماد نے اپنے اچھے شاگرد ملا صدرا کے بارے میں کہے ہیں

صدرا جاهت گرفت باج از گردون
اقرار به بندگیست کرد افلاطون
درمکتب تحقیق نیـامد چون تو
یک سرز گریبان طبیعت بیرون

یہ یاد رہے کہ والد مرحوم کا صدرالمتالهین کے ساتھ اس قدر شدید لگاؤ تھا کہ اپنی پہلی نواسی کا نام صدرا رکھ لیا اور اپنی کتابوں کی پبلیشنگ کے لیے "اشتہارات صدرا" نام رکھا۔

معاصر اساتذہ میں سے مرحوم میرزا علی آقا شیرازی معروف عارف کو اصفہان میں دیکھا تھا اور اس روحانی عظیم عالم کے ساتھ ایک خاص ارادے رکھتے تھے۔ کہ ان کی تصویر کو اپنی کتابوں کی الماری میں رکھا ہوا تھا۔ آپ نے نہج البلاغہ سے آشنائی میں ان سے زیادہ فائدہ اٹھایا تھا۔ اور آپ کے اساتذہ میں دوسرے حضرات آیت اللہ علامہ طباطبائی۔ جن کے ساتھ آپ بے لوث ارادت رکھتے تھے اور میرے والد بزرگوار اکثر اپنے اس استاد بزرگوار کے ساتھ اپنی کتاب روش ریالیسم کی تکمیل کے لیے خراساں چلے جاتے تھے۔

لیکن اپنے تمام اساتذہ میں سے حضرت آیتہ اللہ العظمی امام خمینی اعلی اللہ مقامہ کے ساتھ خصوصی روحانی رشتہ رکھتے تھے۔ اپنے اس

عظیم استاد کے بارے میں اپنی بے قراری اور فریفتگی کا ذکر کئی جگہ کیا ہے۔ یوں لکھتے ہیں۔

وہ پہنچی ہوئی ہستی جس کے ہمراہ دلوں کے سینکڑوں قافلے ہیں۔ ان کا نام ، ان کی باتیں ان کی ولولہ انگیز روح ، ان کا آہنی عزم و ارادہ ان کی استقامت ، ان کی شجاعت ، ان کی روشن فکری ، ان کا ایمانی جوش و جذبہ زبان زد خاص و عام ہے۔ یعنی ملت ایران کے روح رواں ہمارے بزرگوار استاد حضرت امام خمینی ایک ایسا اسوہ حسنہ ہے۔ جسے خداوند عالم نے ہمارے زمانے میں اور اس صدی کے لیے عطا کیا ہے۔ آپ اس کے واضح اور روشن مصداق ہیں۔

"ان اللّٰہ فی کل خلف عدوہ ینغون عنہ تحریف المبطلین" بے شک خداوند عالم کے لیے ہر زمانے میں ایسے جوانمرد عادل ہوتے ہیں جو اس دین میں کی گئی اہل باطل کی تحریفوں کو ختم کرتے ہیں۔

میرا قلم بے تاب ہے کہ بارہ سال تک اسی بزرگوار استاد کے حضور سے اٹھاتے ہوئے حضور اور روحانی فیض کا شکریہ ادا کرے جو صرف اور صرف اس بنا پر حاصل ہوئے کہ مجھے فضیلت و کرامت کے اس منبع کا قرب حاصل تھا۔

میرے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد امام کی زبان سے جو الفاظ ادا ہوئے ان سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہ استاد بھی اپنے اس شاگرد پر خاص لطف و عنایت فرماتے تھے۔

میرے والد بزرگوار نے ۱۳۳۱ ہجری شمسی میں قم سے تہران کا ارادہ کیا تو اس سال خراساں کے ایک مشہور عالم مرحوم آیتۃ اللہ روحانی کی بیٹی سے شادی کی۔ اور اسی سال مزید فروری میں فلسفہ الٰہی کی تدریس شروع کی۔ ۱۳۳۲ ہجری شمسی میں آپ کا ابتدائی مقالہ رسالہ حکمت نشریہ قم میں شایع ہوا۔ اور ۱۳۳۴ ہجری شمسی میں کتاب " اصول فلسفہ و روش تالیم " کی پہلی جلد کو جس کا متن حضرت علامہ طباطبائی کا ہے اس پر آپ نے حاشیے اور فٹ نوٹ لکھتے ہوئے مکمل کرکے شایع کیا ۔ اس کتاب نے پڑھے لکھے اور یونیورسٹی والے طبقوں میں ایک خاص مقام حاصل کیا۔

اسی سال بھی ۱۳۳۴ ہجری شمسی کو تہران یونیورسٹی کی طرف سے دانش کدہ الاھیات میں معارف اسلامی کی تدریس کے لیے دعوت دی گئی اور گروہ فلسفہ اور حکمت اسلامی نیز دوسرے تمام علوم اسلامی کے شعبوں میں تحقیق و تدریس شروع کی اور ۲۲ سال یونیورسٹی کے دانش کدہ الاھیات علوم اسلامی کے استاد رہے اور بعد میں طویل مدت تک فلسفہ اور حکمت الٰہی کے شعبوں کے انچارج بھی رہے۔

والد بزرگوار نے اسی تمام مدت میں مسلسل مطالعہ اور تدریس و تحقیق جاری رکھا ہوا تھا۔ اور یونیورسٹی کے ماحول سے الگ تھلگ پورے ذوق و شوق کے ساتھ مختلف اسلامی علوم کی تحقیق میں بے پناہ کوششیں جاری رکھیں اور مختلف فقہی ، ادبی ، فلسفی ، معاشرتی ، عرفانی اور تاریخی مباحث کی تالیف و تصنیف میں مشغول رہے ۔ اور مسلسل نوجوان نسل کی

تعمیر کی جو یا تو یونیورسٹی کے طلبہ یا حوزہ علمیہ کے طلبہ تھے ۔ ساتھ ہی معاشرے کے دوسرے طبقات جیسے ڈاکٹر ، تاجر ، انجینئر وغیرہ بھی اسی طرف متوجہ ہوئے۔

یہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یونیورسٹی میں آپ نے ایک رسالہ اصول فقہ کلام ، فلسفہ منطق ، عربی وغیرہ پر مرتب کیا۔ نیز فلسفہ اسلامی کے مسائل ، تاریخ ، سیرت اور فلسفہ اسلامی پر لکھی تاکہ طالب علم ان سے استفادہ کر سکیں ۔ آپ کے ان رسالوں سے دینی طلاب بھی استفادہ کرنے لگے۔

(۱۳۳۴ سے ۱۳۵۴) ہجری شمسی تک آپ طلبہ اور یونیورسٹی کی اسلامی انجمنوں اور دوسری علمی انجمنوں کی دعوت پر طلبہ کے لیے لاتعداد تقریریں کیں اور قسم قسم کے اسلامی مسائل کو زیر بحث لا کر محققانہ تبصرہ کرتے ۔ ایسے مسائل جو موجود معاشرے کی ضروریات سے مطابقت رکھتے تھے۔ پیش کرتے ۔ ان اداروں میں سے اکثر یہ تھے تہران یونیورسٹی ، مشہد یونیورسٹی ،شیراز یونیورسٹی ، تربیت معلم آبادان کی نفت یونیورسٹی اور بڑے بڑے مدارس تھے ۔جہاں آپ تقریریں کرتے۔

ان تقریروں میں سے اکثر طلبہ کے ذریعے کیسٹ سے منتقل کرکے اضافوں اور تصحیح کے بعد چھپ چکی ہیں۔

در زندگی انسان ، خورشید دین ہرگز غروب نمیکند۔ علل گرایش بہ مادی گری ۔ ایسی ہی کتب ہیں۔

ان کے علاوہ کئی سالوں تک آپ علمی اور اسلامی اداروں جیسے "
حسینیہ ارشاد " مسجد الجواد اور دوسرے اداروں میں مختلف اعتقادی ، اور
معاشرتی مسائل میں غورو تحقیق کرکے ان مسائل کا حل پیش کرتے تھے ۔
آپ کی کتاب جاذبہ و دافعہ علی علیہ السلام حسینیہ ارشاد میں آپ کی
تقریروں کا مجموعہ ہے اور حسینیہ ارشاد کی پہلی کتاب ہے جسے نشر کیا گیا
ہے ۔ والد بزرگوار نے اسی دوراں کچھ مقالے " مکتب اسلام " کے رسالے
میں نہج البلاغہ کی سیر کے نام سے لکھے جو بعد میں طلبہ کے ذریعے کتاب کی
صورت میں چھپ گئے اور علمی حلقوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

حسینیہ ارشاد جو ایک علمی اور اسلامی ادارہ ہے ۔ نے کتاب خاتم
پیغمبران کی بعثت کی پندرھویں صدی کی آغاز کی مناسبت سے شایع کیں اور
پیامبرامی " اور ختم نبوت والی تقاریر کو اس کتاب میں شایع کیا گیا ہے۔

عام طور پر والد بزرگوار کی ہفتے میں ایک دفعہ کسی ایک اسلامی
انجمن میں ڈاکٹروں ، انجینئروں وغیرہ میں تقریب ہوتی تھیں۔

اور تفسیر قرآن جو جمعہ کے روز صبح کے وقت منعقد ہوتی تھی
میں شرکت کرتے تھے اور علمی ، فلسفی ، معاشرتی اور اسلامی تاریخی
موضوعات پر تقریر کرتے تھے ۔ ان تقاریر میں سے بعض کیسٹ سے اتار کر
تصحیح و اضافات کے بعد خود انجمنوں کے ذریعے نشر ہوئیں مسئلہ حجاب
انہی تقریروں کی ایک یادگار ہے۔

ان کتابوں میں سے ایک جنہیں آپ خود خصوصی اہمیت دیتے

تھے "عدل الہی" ہے۔ اس کتاب میں بہت سارے علمی اور فلسفی نکات بہترین انداز میں ذکر ہوئے ہیں اور آج کی ضرورت کے مطابق بہت سارے مسائل کا جواب دیا گیا ہے اور یہ کتاب کئی بار چھپ چکی ہے۔

آپ نے ۱۳۴۴ سے ۱۳۴۲ ہجری کے درمیان ایران کے ریڈیو سے آپ نے تقاریر کیں جو بعد میں "بیست گفتار" کے نام سے چھپ گئیں۔

آپ نے "تضاد اور حرکت" پر فلسفہ اسلامی کے تحت بحث و تحقیق کی جسے دانشکدہ الہیات کے رسالے میں چھاپا گیا اور اسے معارف اسلام تہران یونیورسٹی کے شعبے نے شایع کیا۔ اور ان مقالات کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے آپ کی علمی کانفرنسوں کی چند تقریریں جو حافظ کے عرفان اور حکمت کے بارے میں تھیں انہیں آپ نے دانش کدہ الہات اور معارف اسلامی میں کیا تھا ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہیں۔

آخری عمر میں قانون توحید، اور دوسری علمی و اسلامی موسسات میں شناخت کے فلسفے پر ایک تفصیلی بحث شروع کی تھی جو ناکام رہی۔ اس میں آپ نے نظریہ شناخت پر تحقیق کی اور معرفت کے نظریات میں مغرب اور اسلامی نظریات کا موازنہ پیش کیا تھا۔

میرے والد نے فلسفہ تاریخ اور اسلامی اقتصادیات کے میدان میں بھی ہفتہ وار تدریسی اور تحقیقی کلاسیں اپنے گھر میں شروع کیں تھیں اور ان کلاسوں کے اکثر بیان شدہ مطالب کیسٹوں میں محفوظ ہیں ان میں

سے بعض کو تحریری صورت میں لایا گیا بقیہ پر آپ کے شاگرد کوشش کر رہے ہیں کہ انھیں بھی تحریر کی شکل میں لائیں اور شایع کرنے کے لیے تیار کریں۔ آخری ایام میں آپ اسلام اور مارکسزم میں موازنہ جیسے مسائل پر تحقیق میں مصروف تھے اور ان دو مکاتب کے نظریات کے مطابق انسان کی شناخت پر کام کر رہے تھے اقتصاد کی بحث میں جہاں میں بھی کبھی کبھی شرکت کرتا تھا مغربی ماہرین کے نظریات کو نقل کرتے تاکہ آیندہ جب اقتصاد اسلامی کا مرحلہ آئے تو ان نظریات کو سامنے رکھیں۔

اسلام میں عورتوں کے حقوق " نام کی کتاب دراصل آپ کے چند مقالات کا مجموعہ ہے جو کسی رسالے پر چھپتا تھا ۔ اس کی مدد سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی نظروں میں عورت کا کیا مقام ہے ۔ اس کتاب میں حقوق کے مسائل اور مرد و عورت کے فرق کو ایک پرکشش انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

میرے والد کی بیس سے کچھ زیادہ کتب شایع ہو چکی ہیں ۔ جو آپ کی یادگار ہیں ان میں بعض عربی میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ کتاب داستان راستان نے سال ۱۳۴۴ میں یونیسکو کی طرف سے اس سال کی بہترین کتاب قرار پائی اور انعام ملا

(۱) عدل الٰہی (۲) جاذبہ و دافعہ علی (۳) سیری در نہج البلاغہ

(۴) داستان راستان دو جلد (۵) خدمات متقابل اسلام و ایران (دو جلد)

(۶) نہضتہای اسلام درصد سال اخیر (۷) قیام وانقلاب مہدی از دید گاہ

فلسفہ و تاریخ (۸) اصول فلسفہ وروش و تالسیم پنج جلدی (۹) دہ گفتار (۱۰) بیست گفتار (۱۱) سلسلہ مقالات فلسفی (۱۲) اخلاق جنسی در شرودر غرب (۱۳) جہان بینی (۱۴) وحی و نبوت (۱۵) انسان و ایمان (۱۶) انسان اور تقدیر (۱۷) علل ترائش بہ مادی گری (۱۸) پیامبرامی (۱۹) منطق و فلسفہ (۲۰) ختم نبوت (۲۱) نظام حقوق زن در اسلام (۲۲) فلسفہ حجاب (۲۳) خورشید دین ہرگز غروب نکنہ (۲۴) امداد ھای غیبی در زندگی انسان (۲۵) کتاب سوزی ایران و مصر (۲۹) کتاب تحصیل (بھمن یار کی کتاب کو پہلی دفعہ چند نسخوں کو سامنے رکھ کر تصحیح کرکے شرح کے ساتھ شایع کیا۔ ابھی تک یہ تمام کتابیں چھپ چکی ہیں ۔میرے والد کی تحریریں اور آثار جو ابھی تک نہیں چھپے ہیں بہت زیادہ ہیں جو انشاء اللہ آیندہ شایع کی جائیں گی جن کی فہرست یوں ہے (۱) جامعہ اور تاریخ (۲) امامت و رہبری (۳) اگاہ ھای انسان (۴) انسان از دیدگاہ مارکسزم در نسان (۵) معاد یا زندگی اخروی (۶) فلسفہ تاریخ (۷) اقتصاد اسلامی (۸) مسئلہ شناخت و نظریہ ھای قرآن (۹) فطرت وارزش آن (۱۰) اسلام و مقتضیات زمان (۱۱) مسئلہ پردگی (۱۲) تحقیقاتی درباره سیرت رسول اکرم (۱۳) مسئلہ تضاد در فلسفہ (۱۴) جلد چہارم اصول فلسفہ و روش و تالیم (۱۵) حکمت عملی (فلسفہ اخلاق) (۱۶) بحثھای در مورد حرفان (۱۷) تفسیر سوره ہای از قرآن (۱۸) کلیات علوم اسلامی (۱۹) منطق و فلسفہ (۲۰) انسان کامل فقہ و اصول (۲۱) تحلیل از فلسفہ قیام امام حسین علیہ السلام ۔

مقدس اسلامی تحریک جو پندرہ خرداد ۱۳۴۲ ہجری شمسی میں حضرت امام خمینی اعلی اللہ مقامہ کی رہبری میں شروع ہوئی اس تحریک کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس کی رہبری علماء کے ہاتھ میں تھی اور تہران کے بہت زیادہ علماء اور وعاظ قید ہوئے مجھے یاد ہے کہ اس گیارہ سال سے زیادہ میری عمر نہیں تھی کہ میرے والد بزرگوار بھی ظالم حکومت کے ہاتھوں قید ہوئے۔ پولیس والے نصف شب کو جب کہ اندھیرے نے پورے جہاں کو ڈھانپ رکھا تھا لوگوں کو قید کرنے کے لیے دھاوا بول دیتے تھے میرے باپ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہے۔ جب میں صبح کو اٹھا تو والدہ گرامی نے کہا کہ میرے باپ کہیں سفر پر گئے ہیں چند دنوں کے بعد واپس آئیں گے لیکن چند گھنٹوں میں حقیقت کھل گئی مجھے یاد ہے کہ میرے والد کی گرفتاری اور رہائی تک کی مدت ۴۳ دنوں کی ہے ۔ اس پوری مدت تک آپ زندان میں رہے۔ اس کے بعد آبان ماہ ۱۳۴۳ کو رہبر انقلاب کو جلا وطن کیا گیا۔ اسی دوران جامعہ روحانیت تشکیل میں آئی اور میرے والد اس جماعت کے رکن تھے ۔ اس کے علاوہ تہران اور حوزہ علمیہ میں امام کی طرف سے نظریاتی نمایندہ تھے ۔ ان دنوں امام اور میرے والد کے درمیان خطوط کا تبادلہ ہوتا تھا۔ اور تہران میں جامعہ روحانیت کے جو جلسے ہوتے تھے ان میں بھی آپ شرکت کرتے تھے۔

بعد والے سالوں میں میرے والد نے عراق کا سفر کیا اور وہاں جا کر امام کے ساتھ آپ نے ملاقات کی اور ۱۳۵۹ ہجری شمسی میں جب

تحریک انقلاب عروج پر پہنچ گئی تو آپ کی علمی اور اسلامی خدمات میں کمی واقع ہوئی اور آپ اپنی تمام توجہات کو تحریک کو آگے بڑھانے میں صرف کیا۔ آپ نے پیرس میں امام سے ملاقات کے بعد واپس آئے تو میں نے آپ کے ساتھ ملاقات کی پتہ چلا کہ امام نے آپ کو تحریک کے لیے ایک گائیڈ لائن دی ہوئی تھی جس پر چل کر کامیابی سے ہم کنار ہوا جا سکتا تھا۔ اور دوسرے احکام بھی دے رہے تھے اس کے علاوہ میرے والد نے ۱۳۴۲ سے ۱۳۵۶ ہجری شمسی تک تحریک آزادی کے ارکان کے ساتھ جس میں آقای مہدی بازرگان اور دوسری چند شخصیات فعال تھیں کے ساتھ تعاون کیا اور ان کے ساتھ نزدیکی روابط تھے۔

آخری سالوں میں پولیس کی طرف سے میرے والد کو اطلاع دی گئی تھی کہ آئندہ کسی بھی جگہ تقریر کرنے کی اجازت نہیں یہاں تک کہ اپنے دروس کو بھی معطل کریں۔

حضرت امام خمینی اعلی اللہ مقامہ کے پیرس سے تہران آنے کے بعد جب بہمن ماہ ۱۳۵۷ کو بختیار کی ناجائز حکومت ختم ہو گئی تو میرے والد بزرگوار امام کی طرف سے شورای انقلاب اسلامی کے رکن مقرر ہوئے۔ اس طرح ان کی معاشرتی اور سیاسی فعالیتوں میں اضافہ ہوا۔

میرے والد کی دیگر خصوصیات میں ان کی پاکدامنی ، سچائی ، استحکام اور قاطعیت تھیں آپ اپنی علمی اور معاشرتی تحقیقات کے ساتھ دنیا کے کمزوروں کے حقوق کے بارے میں بھی غافل نہیں تھے ۔ آپ

نے حسینیہ ارشاد میں کسی ایک تقریر میں فلسطینیوں کے لیے اکاؤنٹ کھولنے کے لیے تمام ایرانیوں کو تشویق و ترغیب دی۔

آپ ہر وقت اپنی تقریروں اور مقالات کے ذریعے اسلام کی گزشتہ شان و شوکت مسلمانوں کو بتاتے تھے اور اسے وحدت اسلامی اور مسلمانوں کی ہمبستگی پر منحصر سمجھتے تھے آپ نے اپنے مقالے " الغدیر اور وحدت اسلامی " اور تحریک اسلامی میں علماء کا کردار" نامی مقالوں میں اس موضوع کو اور واضح طریقے سے نیز طاغوت پر تسلط حاصل کرنے اور ایک توحیدی معاشرے کے قائم کرنے کے لیے دعوت دی ہے ۔ ان تمام میں سے اکثر میرے والد کی مساعی اس نکتے معاشرے سے انحراف اور گمراہیوں کے خاتمے کی لیے تھیں۔

"آپ کی شہادت کی کیفیت"

میری خواہش ہے کہ آپ ان باتوں کو سچائی اور حقیقت کے ساتھ قبول کریں کہ میرے پدر بزرگوار اپنے ان آخری سالوں میں عرفانی سیر و سلوک کی طرف کچھ زیادہ مائل تھے مسلمانوں کی آسمانی کتاب کو ایک اچھی آواز کے ساتھ پڑھتے تھے اور ہر رات نماز مغرب و عشاء کے بعد قرآن کریم کی چند سورتیں پڑھتے تھے۔

نصف شب کو نماز تہجد کی بجا آوری کے لیے جاگتے تھے۔ میں مکمل طور پر آپ کی معنوی اور روحانی حالت کو مجسم کرکے پیش نہیں کر سکتا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کی عرفانی حالات کو دیکھ کر

عارفوں کا شیدائی بن گیا وہ عرفاء جو اپنے پروردگار سے ملاقات کے لیے بیتاب ہیں۔

مشہور فرانسیسی شاعر ہوگو کے مطابق " ابدی دنیا پر اعتقاد جاودانی پر عقیدہ انسان کے جاودان ہونے پر عقیدہ اس پر عقیدہ کہ اسے انسان تو فانی نہیں تو نے ہمیشہ قائم و دائم رہنا ہے ۔ یہ دنیا تو زمانہ طفلی کے لیے ایک گہوارے کی مانند ہے ۔ تمھاری یہ زندگی اور یہ دنیا کسی اور دنیا کی طرف سے ہے یہ دنیا تو صرف جھاگ کی مانند ہے اور وہ دنیا دریا کی مانند ہے۔ اور وہ دنیا اس دنیا کی ملکوتی تجسم ہے"۔ شہید کی منطق دلسوختہ عارف اور اپنے پروردگار کی ملاقات کے لیے بیتاب عاشق کی منطق ہوتی ہے ایک دبے دل سوز مصلح کی منطق ہے جو معاشرے میں عالی قدر اقدار کو رائج کرنا چاہتا ہے ۔ اور شہادت انسانی روح کی ارتقاء کا آخری مرحلہ ہے۔

میرے والد کی شہادت سے چند دن پہلے انھوں نے خود ایک خواب دیکھا تھا کہ آپ رہبر انقلاب حضرت امام خمینی کے ساتھ مکہ مکرمہ میں تھے اور خانہ کعبہ بالکل ان کے سامنے تھا اس خواب کا ذکر میں نے اپنی والدہ سے سنا ہے ۔ اچانک خانہ کعبہ کا دروازہ کھل جاتا ہے اور ایک نورانی چہرہ نمودار ہوتا ہے۔ امام خمینی نے ان سے فرمایا کہ حضرت رسول خدا ہیں جب ہم رسول خدا کے قریب پہنچے تو آنحضرت نے امام کو اپنی طرف کھینچا اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیا ۔ اس کے بعد میری طرف بڑھے اور میرے لبوں پر کئی ایک دفعہ بوسہ دیا ایک عجیب ہیجان و سرور کی کیفیت طاری ہوئی اور

میرے پدر خواب سے بیدار ہوئے ۔ خود اس کی تعبیر یوں کی کہ عنقریب ایک ناقابل تفسیر واقعہ پیش آئے گا جس کی کوئی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی۔

"منگل ۱۱ اردیبہشت ۱۳۵۸ ہجری شمسی"

تقریباً ظہر کے بعد آٹھ بجے تھے میرے والد نے مغرب و عشاء کی نماز پڑھی تھی ۔ اور ڈاکٹر سحابی کے گھر جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے کہ جہاں چند معاشرتی مسائل کا حکومت کے نمایندوں کے ساتھ گفتگو کر کے حل ڈھونڈنا تھا۔

پہلے یہ طے پایا تھا کہ میں اور میرا بھائی آپ کو ڈاکٹر سحابی کے گھر تک پہنچائیں گے لیکن بعد میں میرے والد نے کہا کہ ان کا ایک دوست انھیں لینے کے لیے آئے گا جب آپ گھر سے جا رہے تھے تو میں نماز پڑھ رہا تھا۔

جلسہ ختم ہونے کے بعد گیارہ اردیبہشت کی رات تقریباً ساڑھے دس بجے آپ گھر واپس آنے کے لیے نکلے آپ کے ساتھ آقای کتیرائی اور آپ کے دوست بھی تھے ۔ اور جلسہ کے دوسرے افراد مشورہ کرنے گھر میں ہی رہے۔

میرے والد آقای کتیرائی اور ان کے دوست کے درمیان باتیں سن کر چند قدم ان سے فاصلہ اختیار کرتے ہیں اور اپنے دوست کی کار کی طرف قدم بڑھاتے ہیں جو خیابان فرعی میں آقای ڈاکٹر سحابی کے گھر کے

بلکل سامنے کھڑی تھی۔ جب آپ پہلی ہی گلی میں پہنچے تھے کہ ایک شخص نے آپ کو آواز دی آپ سمجھے کہ شاید ڈاکٹر سحابی کے گھر سے کوئی ہے اور آپ سے کام ہو آپ مڑ کر پیچھے دیکھتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی گولی چلنے کی آواز آئی اور آپ زمین پر گر پڑے اور اپنے خون میں نہا گئے

آقای کتیرانی اور دوسرے لوگ حادثے سے مطلع ہوئے اور آپ کو ہسپتال میں پہنچا دیا جو خیابان بہارستان میں واقع ہے۔ مگر ڈاکٹروں نے کہا کہ آپ شہید ہو چکے ہیں۔ اور معاملہ دوا اور علاج کی منزل سے گزر چکا ہے۔ گولی دائیں طرف کان کے نیچے لگی اور بائیں طرف اوپر سے نکلی تھی جنازہ ایک دن ہسپتال میں رکھا گیا اور ۱۳ اردیبہشت کی صبح جمعرات رہبر انقلاب کی طرف سے عمومی سوگ کا اعلان کیا گیا اور اسی دن تہران یونیورسٹی سے جنازہ اٹھایا گیا اور قم لا کر حرم مطہرہ حضرت معصومہ میں حضرت آیۃ اللہ عبدالکریم حائری کی آرام گاہ کے قریب تدفین ہوئی۔ مجھے سورہ آل عمران کی آیت یاد آتی ہے جس میں ارشاد ہوا تم لوگ خیال نہ کرو کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں وہ مردہ ہیں ایسا نہیں بلکہ یہ لوگ اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں" علاوہ اسی کے نہ میرے والد میرے جسمانی معلم تھے۔ اس سے بڑھ کر آپ میرے روحانی مربی بھی تھے۔ قارئین مجھ سے میرے والد کی شہادت کے بارے میں یہ چند سطور چاہتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ ایک بیٹے کی حیثیت سے اپنے باپ کی شہادت کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ جس قدر بھی مجھے لگاؤ اور محبت مجھے اپنے والد کے ساتھ تھی مگر میں اس کے باوجود ان کی معنوی اور روحانی عظمت سے آگاہ نہ تھا آپ کی شہادت نے میرے اندر ایک انقلاب پیدا کیا اور اسرار حقائق سے آشنا کیا ۔ اور میں نے انھیں ایک کامل انسان کا نمونہ پایا ۔ خداوند تجھ سے سوال کرتا ہوں ۔ تو مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اپنے والد کے نقش قدم پر چلوں اور شہادت کی سعادت حاصل کروں ۔ کیونکہ شہادت ہی روح انسانی کی روحانی اور معنوی تکامل اور ملکوتی دنیا کی طرف روحانی ظھرنیت ہے۔

" خدا اور مخلوق دونوں کے لیے کام کرنا شرک ہے۔
صرف مخلوق کے لیے کام کرنا بت پرستی ہے اپنے
اور مخلوق کے کام خدا کی خاطر بجا لانا ہی توحید
پرستی ہے " (جھان بینی توحیدی)

(استاد مطہری)

"استاد کی شہادت کا ایک تجزیہ"

لقد مکر الذین من قبلھم فاتی اللہ بنیانھم فی القواعد فخر علھیم الشقف من فوقھم

بہ تحقیق کافروں سے جو ان سے پہلے انھوں نے بھی مکاریاں کی تھیں تو خدا کا حکم ان کی جڑ بنیاد کی طرف سے آپڑا۔ ان کی (خیال) عادت کی چھت ان پر گر پڑی اور ان پر ایسا عذاب آیا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

عظیم استاد شہید مرتضی مطہری کا قتل صرف ایک سیاسی قتل نہیں تھا بلکہ تفکر اور انسانیت کا قتل تھا۔ قاتلوں نے اپنے گمان کے مطابق چاہا کہ اسے سیاسی قتل قرا دیں۔ اور شہید قرنی کے قتل کے ساتھ اس کا سرا جوڑ لیا۔ لیکن ہم جب چند استثنائی امور کو درگزر کریں تو کہیں بھی ان کی یہ چال نہ چل سکی۔ اور لوگوں نے بہت جلد ان کی عیاری کو جان لیا۔ کہ کس طرح انھوں نے بوکھلا کر آیتہ اللہ مرتضی مطہری کی شوری انقلاب میں شمولیت کو اس کی وجہ قرار دیا۔

کیا ایسا نہیں ہے کہ ان کے علاوہ اور لوگ بھی شوری میں تھے۔ انھوں نے کس قدر بے شرمی کے ساتھ کی گئی کوششوں کے باوجود اپنے اعلامیہ میں بھی اس نظریاتی قتل پر پردہ نہیں ڈال سکے۔ خیانت کی انتہا یہ

کہ انھوں نے یہ نہیں کہا کہ " روحانی ہونے کے جرم میں " بلکہ اس جملے میں بدل دیا کہ " خصوصاً ان کے نظریات کی رو سے " تو بیان شائع کیا۔

اس طرح ہمارے عوام کے کہے بغیر یہ جان لیا اور پورے ایران میں تمام نعرے اسلام کی کامیابی دائیں اور بائیں بازو کی نابودی اور معاشرے کی بظاہر ترقی کے طفیلی ان حقایق کو مزید واضح کرنے کے لیے مندرجہ ذیل توضیحات کو ضروری سمجھتے ہیں

استاد کی پوری زندگی کو ایک ہدف پر خلاصہ کیا جا سکتا ہے " اسلام کو بغیر کسی ملاوٹ کے پیش کرنا اور حریم مقدس " حقیقت " کا دفاع تھا۔

اسی وجہ سے مرحوم استاد اپنی پوری زندگی میں مختلف قسم کے چھوٹے بڑے الزامات کا مورد قرار پائے۔ آپ کے ساتھ دشمنیاں کی گئیں شاید صرف حقیقت کا درک کرنا اتنا دشوار نہ ہو بلکہ دشواری یہ ہے کہ انسان سے شجاعت اور صراحت کے ساتھ بیان کرے۔ استاد نے حقیقت کی اصالت کو بیان کرنے کے لیے کسی کے ساتھ کوئی ساز باز نہیں کی اور اس مقابلے میں کسی قسم کی رکاوٹ کو قبول نہیں کیا۔ اور اپنی پوری بابرکت زندگی میں کسی بھی موج اور رکاوٹ کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیک دیے۔ اس قدر تقوی کے حامل تھے کہ ان کا تقویٰ سوائے چند ایک افراد کے اور کسی کو محسوس نہ ہو سکا اور جن افراد کو اس کا احساس تھا بھی تو برابر مشکل سے حقیقت کی اصالت کی حفاظت کے لیے استاد نے جس چیز کے ساتھ

مصالحت نہ رکھی وہ مرید بازی اور مرید پروری تھی۔

باطل کے ساتھ آپ کی سختی کوئی ایسی چیز نہیں جو آنکھوں سے پنہاں رہے اگر معاشرتی اعتبار سے بہت بڑی شخصیات سے بھی کوئی معمولی سے انحراف کا بھی پتہ چل جاتا تو آپ ان کے ساتھ الجھ جاتے ۔ اور اس بارے میں ذرہ برابر خوف نہ کھاتے ۔ جیسے ہر وقت وہ خود کہتے تھے کہ ان کا اور ان کے استاد (علامہ طباطبائی) کا اصلی گناہ یہ ہے کہ انھوں نے " اصول فلسفہ " نامی کتاب لکھی ہے۔ جو بجائے خود ساحل حقیقت کے غوطہ خوروں کے لیے ایک گہرے دریا کی مانند ہے اس بنا پر استاد پر ہر پہلو سے حملے ہوتے رہے۔

(۱) مارکسی اور بائیں بازوں کے عناصر نے اپنے افکار و عقیدت کے بوسیدہ محل کے لیے آپ کو ایک تند و تیز طوفان کی مانند پایا تو ہر وقت آپ پر حملے کرتے رہے تاکہ آپ کو راستے سے ہٹا سکیں۔

(۲) اشتراکی نظریات کی طرف مائل مسلمان اصولی اور درست فکری بنیادوں سے بے بہرہ ہونے کی بنا پر اشتراکی نظریات کے سامنے احساس کمتری میں بتلا تھے ۔ (جو ابھی بھی اسی میں بتلا ہیں) اس وجہ سے استاد کے افکار جو بعض رائج افکار کے خلاف تھے کیونکہ آپ صحیح عقیدے کو عمل انقلابی کے لیے اولین شرط قرار دیتے تھے ۔ نیز مذہبی اور غیر مذہبی قوتوں کو مکمل طور سے الگ الگ کرنے کو انقلاب کی بنیادوں کی حفاظت اور اس کے بقا کے لیے اولین شرط سمجھتے تھے آپ کے یہ نظریات ان

لوگوں کے مذاق کے لیے قابل قبول نہیں تھے۔ استاد خود اس بارے میں ہمیشہ ایک مثال کے ذریعے سمجھاتے تھے۔ فرماتے تھے۔

" اگر انقلابی معاشرہ فکری اعتبار سے خالص نہ ہو تو اس کی مثال ایک ایسے سوار کی مانند ہے جس کے ہاتھوں میں اپنے گھوڑے کے لگام نہ ہوں یعنی لگام یا تو خود گھوڑے کے گردن پر ہوں یا کسی دوسرے شخص کے ہاتھوں پر ہوں۔ اس قسم کا سوار رفتار بڑھانے کے لیے جس قدر تازیانہ گھوڑے کو مارے گا تو اس کی ہلاکت کا زیادہ سے زیادہ امکان بڑھے گا۔ اسلام میں درست اور صحیح ایسی فکر جو کسی قسم کی گمراہی سے محفوظ ہو اس کے انقلاب کے لیے اولین اور آخرین شرط ہے۔ یہ وہ نظریہ تھا جس سے استاد نے ایک لحظے کے لے چشم پوشی نہیں کی اور اس کے بیان کرنے میں ایک لمحے کے لیے نہ رکے

(۳) استاد کا ایک مخالف گروپ طاغوتی حکومت بھی تھی ایک ایسی حکومت جس کا انتہائی مقصد یہ تھا کہ ملت کے تمام مفادات اور ان کے سرمائے پر تسلط حاصل کرے۔

اور ہر ممکن وسیلے سے اپنے مخالفین کو راہ سے ہٹانے پر تلی ہوئی تھی حکومت کو معلوم تھا کہ اس کی طاغوتی بنیادوں کے لیے حقیقی خطرہ صرف اور صرف اسلام ہے۔ اور یہ مرد مسلمان نہ تو خریدا جا سکتا ہے اور نہ ہی یہ فعالیت سے رک سکتا ہے۔ بلکہ یہ تو عوام کے لیے ان کے نظریات کے لیے ایک محکم سائبان کی حیثیت رکھتا ہے اور عوام کو مادی

اور معنوی تقویت پہنچاتا ہے۔ اگر یہ ہوتے تو دوسری قوتیں انھیں کچلنے کے لیے کافی تھیں۔ صرف عوام تک پہنچنے کی دیر تھی۔

مسلمان گروہوں کو چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تبدیل کرنا، اشتراکی نظریات کی طرف مائل کرنا اور لوگوں کو گمراہی کی طرف مائل کرنا جیسے وسائل سے حکومت نے کام لینا شروع کیا اور اسلامی قوتوں پر حکومت کی طرف سے کاری ضرب تھی۔ البتہ نئے قاعدے اور دستور سے نئے ڈھنگ اور طریقے سے جسے نوجوان زیادہ سے زیادہ پسند کریں اور ترقی پسند قرار پائیں۔ اور وہ قالب " انقلاب " کا خوب صورت لفظ ہے۔

* مگر یہاں ایسا بھی نہیں جیسے دنیا کے مادی انقلابی ترین مکاتب انجام کار اقتدار کو ایک قوت سے دوسری قوت کو منتقل کرتے ہیں اور نہ تو حق اور باطل کے معیار پر اپنے وظیفے کی بنیاد پر انقلاب کا جذبہ اپنے پیرو کاروں کے درمیان پیدا کریں۔ یہ دستور رہا ہے کہ حکومت و اقتدار کے طلب گار ہمیشہ سے خرید و فروخت ہوتے رہے ہیں ۔ لہذا انھوں نے ان تمام سے ہٹ کر ایک نعرہ بلند کیا اور مسلمانوں کے درمیان ایک خفیف مغالطہ پیدا کرنے کی کوششیں کیں تاکہ مسلمان کھڑے ہونے کی ہمت نہ کر سکیں۔ دراصل یہ حکومت کے ایجنٹوں کی ضرورت اور خواہش تھی کہ ان کے نظریات کو تحقق بخشیں لہذا انقلاب اسلامی کی جگہ انھوں نے اسلام انقلابی کا شوشہ چھوڑا ۔ اور یہاں یہ مغالطہ اس قدر لطیف ہے کہ بڑی آسانی کے ساتھ نوجوان بلکہ بہت سارے عمر رسیدہ افراد بھی اس فرق کو الگ

نہیں کر سکے۔"

انقلاب اسلامی کی کوشش یہ ہے کہ اسلامی اصولوں اور قواعد کی بنیاد پر ایک نیا معاشرہ قائم کرے۔ ایک ایسا معاشرہ جو اسلامی معیاروں کے ساتھ ہم آہنگ ہو ۔ نہ اس میں کوئی کمی ہو اور نہ کوئی اضافہ اور ان کے بقول " اسلام انقلابی " کے تحت یہ کوششیں تھیں کہ اسلام کی تمام بنیادوں کو " مغربی انقلاب " کے مفہوم اور معیار کے تحت کی جائیں اور اسلام انقلابی مغربی اسلام کے برابر ہوتی اور ان میں کوئی فرق نہ رہتا۔ لیکن ہمارے سامنے وہ اسلام نہ رہتا اور جو بھی نام دیا جائے چاہے اسے مارکسزم کے مقابلے کے لیے اس کی نابودی کے لیے آلہ کار بنایا جائے مگر یہ اسلام نہ رہتا بلکہ آپ اسے ایک ملت اور جنگ کہیں لیکن اسلام نہیں کہہ سکتے اس مقالے میں اتنی گنجائش نہیں کہ اس کی زیادہ توضیح کی جائے۔

اسی کو واضح اور آشکار کرنا استاد کی خواہش اور آرزو تھی آپ جب بھی قم تشریف لاتے تو اس کا ذکر کرتے بلکہ اس بارے میں آپ کی کافی تقریریں بھی موجود ہیں تہران میں آپ کے شاگردوں کے توسط سے مرتب ہو رہی ہیں انشاء اللہ جلد ہی شایع ہوں گی۔ خلاصہ یہ کہ حکومت نے کمیونسٹوں اور مارکسزم کے خلاف ایک ہوا کھڑا کر رکھا تھا اور مسلمان مجاہدوں پر ہی الزام لگا کر موت کے گھاٹ اتارتی تھی لیکن اپنی ماہیت و حقیقت کے لحاظ سے اسلام کو مارکسی بتانے اور اس کے مفاہیم کو مادیت پرستی کے تحت کرنے کی کوششوں میں لگی ہوئی تھی ۔ اس لحاظ سے

بالواسطہ یا بلاواسطہ حکومت نے اپنی تمام تر توانائی کو اس پر خرچ کیا کہ اسلام اور مسلمانوں کو کمزور کرے۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ اگر کوئی واضح اور روشن تر اس کو جاننا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ ساواک کے ریکارڈ میں حکومتی عناصر کے اعترافات کو پڑھے ۔ بہرحال استاد شہید مرتضیٰ مطہری کے ساتھ حکومت کی دشمنی کی وجہ یہی تھی ۔ ایک ایسا مفکر جسے نہ تو خریدا جا سکتا ہے نہ خاموش کیا جا سکتا ہو ۔ تو اس کے ساتھ کیا کیا جانا چاہیے تھا۔ اسے کام کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ وہ جس طبقے کے درمیان کام کرتا ہے یعنی نوجوانوں اور انقلابیوں کے درمیان پھوٹ ڈالی جائے یہی وجہ تھی کہ کبھی استاد پر سرمایہ دار اور کبھی جاگیردار ہونے کی تہمت لگی صرف یہی نہیں بلکہ ہزاروں قسم کے الزامات لگے مگر آپ نے ایک دفعہ بھی صفائی پیش کرنے یا جواب کی ضرورت محسوس نہیں کی ۔ اگر آپ ایسا کرتے تو بھی تو بے فائدہ رہتا کیونکہ " اسلام انقلابی" نے انقلاب اسلامی سے بازی لے لی تھی۔ ایسے حالات میں کوئی آپ کی بات نہ سنتا ۔ یہ سلسلہ انقلاب کی کامیابی کے بعد تک جاری رہا۔ انقلاب کی کامیابی کے بعد چند موقع پرستوں نے ہر ممکن ذریعے سے مملکت کے حساس مراکز تک رسائی حاصل کی ہوئی تھی۔ انھوں نے جب استاد کو ٹیلی ویژن پر دو مرتبہ دیکھا تو ان لوگوں کو یہ بات پسند نہ آئی ساتھ ہی جب روشن فکروں اور پڑھے لکھے طبقات نے آپ کی تقریریں سنیں تو کہنے لگے اسلامی تعلیمات میں کیا ہی اچھی باتیں اور احکام موجود ہیں ۔ اور لوگ اس

سے بے خبر ہیں یہ بات بھی ان موقع پرستوں کو پسند نہ آئی جو خود اس وقت سیاہ و سفید کے مالک بنے ہوئے تھے کہنے لگے ۔ بس زیادہ ہوئی اب مزید ریڈیو ٹی وی پر اخوندوں کو زیادہ نہیں بولنا چاہیے ان کے لیے مساجد اور منبر کافی ہیں۔

ٹیلی وژن کو روشن فکروں سے مخصوص ہونا چاہیے۔ ایک دو ہفتے بعد آپ کے ساتھ تہران میں ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا افکار و نظریات کی قطع نظر میرا آخوند ہونا بھی ان کو پسند نہیں آیا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ علماء معاشرے میں بہت کم نظر آئیں اور معاشرے کی ثقافت زیادہ سے زیادہ علما اور اسلام سے بے گانہ ہو ۔ استاد کی رائے کیا ہی محکم تھی۔ آپ کے بے بنیاد قاتل "تبہ کار آخوندیسم" اور جہانخوا امیر بار ہم کہتے ہیں اور اپنے تجربہ و تحلیل کے مطابق کمیونزم کو ترقی پذیر کہتے ہیں صرف یہی نہیں بلکہ روشن فکری اور حریت پسندی بھی اسی میں مضمر سمجھتے ہیں اگرچہ کبھی کبھی اپنے آپ کو گالیاں بھی دیتے ہیں ۔ کہ ہم کمیونزم کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔

اس میدان میں حکومت نے اپنے مقاصد پورے کرنے کے لیے ایک اور حربہ بھی استعمال کیا یعنی اسلام کو مغرب زدہ کرنے کے لیے تو استاد نے جلد ہی بخوبی آگاہی پائی یعنی حکومت نے اسلام سے علماء کو الگ کرنے کی چال چلی تھی ۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ چند ساواکی علماء جو حکومت کے وظیفہ خوار تھے مکتب علما سے لوگوں کو بدظن کریں اور یہ ظاہری طور پہ

ترقی پسند اور روشن فکر افراد کی پیروی کریں اور بعض بے بصیرت نام نہاد علماء بھی ایسی کوشش شروع میں لگے ۔ حکومت کی مشینری کو معلوم ہے کہ صرف علماء ہی ہیں جو اسلام کو کسی اور چیز سے بدل نہیں سکتے۔ اور علما ہی ہیں جو اسلام کے نزدیک ترین منابع سے آشنا ہیں جس کی وجہ سے وہ کوئی غلطی نہیں کر سکتے۔ (ان سے یہ ممکن نہیں کہ ایک دن بہشت اور دوزخ سے انکار کریں اور دوسرے دن معجزہ اور وحی سے انکار کریں ۔ ایک دن تو اقتصاد کی بنیاد اور جس تاریخ کو قبول کریں اور دوسرے دن خصوصی مالیت اور خمس و زکواۃ اور فقہی قوانین کی نقل کریں اور آخر کار ایک ماڈرن یا تکنیکی اسلام ان اسلام سازوں کے ہاتھوں وجود میں آئے جو خود تسلیم کرنے والے نہیں) ہاں شیعہ علماء نے اپنا امتحان ۱۴۰۰ سال کی طویل تاریخ میں دیا ہے اور اسلام پر یہ مکاریاں ہمارے زمانے میں پہلی دفعہ نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کے دو فرقے ماضی میں بھی یہ کہتے رہے ہیں کہ ان کے بے جوڑ عقائد یہ اسلام کا حصہ ہیں ایسے فرقے جن کا سر اور بنیاد ہی نہ ہو ایسے دعوا کرنے لگے مشبہہ ۔ مجسمہ اور خوارج وغیرہ اسی قبیل کے ہیں۔

اتفاق سے ہم ماڈرن ترین اسلام کو دیکھتے ہیں جو تاریخ میں گمراہ ترین فرقوں کے ساتھ مکمل مشابہت رکھتے ہیں اور اس کے سارے شواہد اور واقعی شناخت روحانیت شیعہ اور علماء کے ذریعے حاصل ہوتے جو باتقویٰ علماء ربانی تھے انھوں نے ان گمراہیوں ، اور راستے کے سنگلاخوں کو پہچان کر بغیر کسی فاصلے کے سیدھے راستے کو استقامت کے ساتھ طے کیا اور

اسلام ناب محمدی کو بے انتہا مصائب برداشت کرتے ہوئے یہاں تک پہنچایا ہے اور یہ حکمیت علما ہی ہے جو اپنی خاص مذہبی تعلیم و تربیت کی بنا پر صرف تعلیم و تربیت ہی نہیں بلکہ تزکیہ نفس بھی اس حقیقت کو پانے کے لیے ایک شرط سمجھتا ہے۔ مذہبی اخلاق کی ترویج اور مسلمانوں کی گمراہی کو روکنا مراد ہے اگر مکتب روحانیت نہ ہوتا تو اسلام محمدی کو مسخ کرکے ایک مغربی مکتب بنا لینا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ جو دو یا ایک مغرب زدہ روشن فکروں کے ہاتھوں بخوبی ہو سکتا ہے۔

استاد خود مکتب روحانیت کے اندر بعض غلطیوں اور اعتراضات کے خود قائل تھے۔ لیکن ساتھ ہی فرماتے تھے کہ یہ مکتب بیمار ہے اور اسے بیماری لگی ہے اور فطری طور پر اسے ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ یہ مکتب بھی صدیوں تک نظام شرک کے تسلط میں گرفتار تھا۔ اس لیے یہ ناممکن ہے کہ اس کی معاشرتی بنیاد میں اس کی تاثیر نہ پائی جائے۔ لیکن اس کا حل اور علاج کیا ہے؟ بیمار کا علاج کیا جائے یا اسے قتل کیا جائے؟ عیوب کو دور کرنا ،نقصان اور کمی کو پر کرنا اور اس اصل اور حکم میانی سے استفادہ کرنا اور اس کے مثبت اثرات سے فائدہ اٹھانا یا اس مذہبی نمائندہ کو ختم کرنا ، نابود کرنا درست ہے؟

استاد بغیر کسی تردید کے پہلی صورت اور راہ کو قابل قبول سمجھتے ہیں اور دوسری فکر کو تباہ کرنے والی فکر اور سو فیصد استعماری پیداوار اور اسلام کی نابودی کی سازش سمجھتے ہیں۔ آپ فرماتے تھے کہ اگر آخوند نہ ہوں

ملا نہ ہوں تو اس اسلام میں ایسی ایسی چیزیں پائی جانے لگیں جن کی خبر خود پیغمبر اکرم کو بھی نہ ہو۔ اسی بنا پر استاد نے اپنی پوری قوت سے مجاہدانہ طور پر استعماری نظریات سے جنگ کی اور کیا ہی محکم کامیابی کے ساتھ یہ جنگ لڑی۔

جو کچھ ظاہر میں تصور کیا جاتا ہے اس کے برخلاف استاد کی سیاسی اور معاشرتی بینش کی کم مثالیں ملتی ہیں۔

آپ ملوث افراد کے ایک ایک فرد کو جانتے اور ان میں سے ہر ایک کے دس دس منابع کے ذریعے تحقیق کرتے یہاں تک کہ اس کے خلوص اور جذبے سے مطمئن ہو جاتے۔ اور بہت سارے سیاسی مہرے جو استعماری سیاست کے لیے کام کرتے تھے اگرچہ ان کا ظاہر بڑا پسندیدہ اور اچھا تھا مگر استاد نے بڑی دقت کے ساتھ ان کی تشخیص کی تھی۔

عام طور پر سرمایہ دار استاد کے پہلے نمبر کے دشمن تھے۔ کیونکہ ان کے زر اور زور میں استاد کے لیے کوئی کشش نہیں تھی اور استاد کی روح قسم قسم کے الزامات کے برخلاف ایک انقلابی روح تھی جو تمام بے سرو سامانیوں، گمراہیوں، طبقہ بندیوں اور ظلم و ستم کو دیکھ کر اس طرح تڑپ جاتے تھے۔ گویا ان کے بدن کا ظرف اس روح کو برداشت نہیں کر سکتا۔

کبھی بھی سیاسی اور معاشرتی مسائل سے بے خبر نہ رہے اور کبھی بھی کسی تذبذب کا شکار نہ ہوتے اور نہ ہی اپنی محافظت کی فکر کی بلکہ آپ ایک انقلابی اور مستحکم روح کے مالک تھے۔ اپنی پوری زندگی میں

ایک لمحے کے لیے بھی حکومت کا ساتھ نہ دیا اور نہ تو کبھی اسے قبول کیا۔

صرف ایک عامل جو استاد کو سیاسی اور معاشرتی مصروفیتوں سے روکتا تھا ۔ وہ اس زمانے کی ایک شدید ضرورت تھی یہ وہی کام تھا جن سے یہ عظیم مرد ایک لمحے کے لیے بھی ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا تہران میں اپنی زندگی کے تیس سال گزارے اور اس پورے عرصہ میں سوائے تحقیق اور تدوین کے ساتھ آشکار طور پر معاشرتی مسائل بھی حل فرماتے تھے۔

خود آپ کے کہنے کے مطابق اپنے آپ کو قید کیا ہوا تھا کبھی تو ایسا ہوتا تھا کہ ایک ہفتہ تک گھر سے باہر نہیں نکلتے اگر کوئی شخص مانع نہ ہوا یا کوئی کام درپیش نہ ہوتا تو تمام وقت مسلسل تحقیق اور لکھنے میں گزارتے ۔ فرماتے تھے کہ تھکاوٹ کی شدت سے کان سن ہو جاتے ، اور پاؤں بدن کا وزن اٹھانے سے قاصر ہو جاتے ہیں استاد نے جو راہ اپنے لیے چنی تھی وہ اللہ کی راہ تھی حق یہ ہے کہ آپ نے حق کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا۔

حکومتی مشینری نے آپ کو مختلف وسائل اور قسم قسم کے حربے استعمال کرتے ہوئے دوستی اور مصلحت اندیشی کے عنوان سے اور اس افراد کے ذریعے جو بظاہر دوست تھے بارہا متعدد بار چاہا کہ استاد کے ساتھ بھی بعض مقدس مابوں کی مانند جو تقوی سے خالی تھے سلوک کریں۔ اور آپ سے کہا گیا کہ آپ اس سے مستثنی ہیں ۔ آپ آخوند شہر ہیں یہ جو ہم کہہ رہے ہیں ان آخوندوں کو کہہ رہے ہیں ہمارا مقابلہ ان سے ہے آپ

سے نہیں، آپ کو مقام دے رہے ہیں، رشوت دے رہے ہیں کہ آپ سکوت اختیار کریں۔ تاکہ یہ لوگ دوسروں سے نمٹ لیں۔

استاد خود بھی ایک عارف کامل تھے اور دنیا کے شور شرابے سے دور نفسانی مشکلوں سے خالی لیکن اس کے باوجود اکیلے ہو کر آخری وقت تک "آخوند کے بغیر اسلام" کی اصطلاح کے ساتھ مقابلہ و جہاد کرتے رہے آپ کے متعدد مقالات کے علاوہ استاد کے دفاع اور حملہ کی بلندی کا انداز انقلاب اسلامی کی کامیابی سے پہلے کے ایک مقالے میں کیا جا سکتا ہے کہ کس طرح آپ نے روشن فکروں کی لغزشوں کو کس طرح محکم انداز میں پیش کیا ہے۔

آج ہم استاد کی حیثیت اور مقام و منزلت کو بہتر پہچان سکتے ہیں اور ان کے ظالم قاتلوں اور ان کی گمراہی سے بہتر طور پر واقف ہو سکتے ہیں۔

استاد نے سال ۱۳۵۰ میں ایک کتاب "علل گرائش بہ مادی گری" لکھی جس میں مادیت کی طرف میلان کے اسباب بیان کیے گئے تھے یہ کتاب نوجوانوں کے درمیان بہت مقبول ہوئی۔ ۱۳۵۰ ہجری شمسی کے خاص معاشرتی حالات کے پیش نظر استاد نے اور وضاحت کے لیے اس کا ایک مقدمہ جو پچاس مضمون پر مشتمل تھا لکھا۔ اس مقدمے میں استاد نے اسلام کے خلاف ایک نئی سازش سے پردہ اٹھایا جو تین عوامل کے ذریعے عمل میں آتی تھی اس سازش کے تحت اسلامی شخصیات کے شکل کو بگاڑ کر پیش کرنا تھا اور انھیں مادہ پرست بنانا تھا۔ اسلامی مفاہیم کو مادیت پر

محمول کرنے کی سازش نے استاد کے دل کو درد سے بھر دیا اور اس کے خطرے کو آپ نے اسلام کے لیے عظیم سمجھا۔

اس بارے میں اس مقدمہ کے صفحہ ۳۴ میں لکھتے ہیں ایران میں " مادہ پرستی" ان آخر دو سالوں میں سے ایک میں بہت جدید اور خطرناک طریقے سے عیاری کے ساتھ شخصیات کی تحریف کے علاوہ آیا قرآن کریم کی تحریف کی جرات کی گئی ہے اور آیات کریمہ کے مفاہیم کو ظاہری الفاظ کے پردے میں مادی تفسیر کی کوشش کی گئی ہے یہ ایک نئی مکاری اور چالبازی ہے ۔ اور ایران میں اس کی عمر دو سال سے کم ہے ۔ اس تحریر کے دو صفحے بعد یوں لکھتے ہیں" ان آخری دو سالوں میں تفسیر کے عنوان سے لکھے ہوئے لٹریچر کے پڑھنے کے بعد کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ یہاں ایک سازش ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ فریب کے دشمنوں نے مذہب کو تباہ کرنے کے لیے کوششیں شروع کی ہیں۔

میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ ان آخری دو سالوں میں قرآن کی آیات کی صورت میں جس مادہ پرستی کی تبلیغ کی جا رہی ہے اسے " فریب کھائی ہوئی مادہ پرستی کہوں ۔ اور اگر میرے ان تذکرات کے باوجود اگر اس گروہ نے اپنی مصروفیتوں کو جاری رکھا تو میں " منافق مادہ پرستی " کا نام دوں گا۔

اس کے بعد استاد گروہ فرقان کی طرف سے چھپے ہوئے قرآنی تفاسیر کے بعض حصوں کا ذکر کر کے ان کی بنیاد اکھاڑنے لگے جس میں مادہ

پرستی کے مفاہیم کی تبلیغ کی جاتی تھی۔ مگر ادھر استاد کی تحریریں چھپیں ادھر ان کی مطبوعات تفسیر کا سلسلہ بند ہو گیا۔

اس گروہ نے استاد کی تحریروں سے قبل اپنی مطبوعات میں سے کسی ایک کے مقدمہ میں یہ کہا تھا کہ اگر کوئی شخص ہماری ان مطبوعات پر تبصرہ یا تردید کے طور کوئی قدم بڑھائے گا تو ہم اس کے ساتھ اسلحہ کی زبان میں بات کریں گے اور اس کی اطلاع آپ کے بعض شاگردوں نے آپ کو دی تو آپ نے جواب میں فرمایا اگر یہ قرار پایا ہے کہ میں اپنی جان کو اسلام کے دفاع میں خرچ کروں تو ایسا ہی ہونا چاہیے کیوں کہ یہ مرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

آپ کی کتاب کے شایع ہونے کے بعد بھی اگر گروہ کے ارکان نے زبانی طور پر استاد کو دھمکیاں دیں۔ جن کا آپ نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ یہ یاد رہے کہ استاد کی تحریروں سے صرف گروہ فرقان ہی نا راحت نہیں تھا بلکہ اشتراکی مسلمان اور ساواک کے کارندے بھی سخت پریشان تھے۔

اشتراکی مسلمان اگرچہ فرقان کے نام سے نہیں تھے تو بھی دوسرے ناموں سے اور پنہاں بھی نہیں لیکن انھیں مادہ پرستی کے مضمون نے ہی ان کے افکار و نظریات کو تشکیل دیا ہوا تھا۔ یہ لوگ بھی استاد کی تحریروں سے سخت نالاں تھے۔ اور اس حد تک نا راحت تھے کہ ہر موقع اور ہر محفل میں آپ کی کتاب کی مخالفت کرتے اور اس کتاب کو مصلحت

اسلام کے خلاف قرار دیتے تھے۔

استاد نے اپنی تحریر میں جس انداز میں انھیں مخاطب کیا ہے اسے مدنظر رکھ کر دوسروں کے خائنانہ سلوک کو بھی دیکھیں تو بہت فرق نظر آتا ہے یعنی قرآن کی تفسیر کے مطابق یہ لوگ تو چار پائیوں سے بھی بدتر ہیں کے مصداق قرار پاتے ہیں لفظ انسان میں شرکت کے باوجود سلوک میں کتنا فرق ہے استاد فرماتے ہیں " میرے عزیزو ۔ تم نے اپنی تفسیر کے مقدمے میں گذشتہ تفاسیر اور مفسروں کے بارے میں کچھ مطالب لکھے ہیں ۔" یا لکھتے ہیں یہ یاد دھانیاں میں کرانا چاہتا تھا میں اپنے عزیز دوستوں کی خیر خواہی کرتے ہوئے ایسا کہتا ہوں کیوں کہ میں جانتا ہوں آپ فریب کھا گئے ہیں اس لیے یہ یاد دھانی کرا رہا ہوں شاید فائدہ مند قرار پائے ایک بار پھر میں تمام علماء فضلا اور دانشوروں سے گزارش کرتا ہوں کہ جو کچھ کہا گیا ہے اسے گہری نظر سے پڑھیں اگر میرے تحریروں میں کوئی غلطی ہو تو مجھے آگاہ فرمائیں تاکہ شکریہ کے سات قبول کروں " یہ ہے ہر حکمت لہجہ اور روحانی معنوی درد سے پر ۔ یہ ان کی منطق تھی اور دوسری طرف درندگی اور حیوانیت تھی جنھوں نے داست کے بھیڑیوں کی مانند دانش تقویٰ کے خلاف اسلحہ اٹھایا۔

گروہ فرقان تعداد اور نظریات کے اعتبار سے جیسے کہ استاد نے بہت جلد درک کر لیا تھا کہ مذہب کو مسخ کرنے کے لیے دائیں یا بائیں طرف جھکاؤ رکھنے والے افراد کا ایک جتھہ وجود میں آیا تھا۔ ان کی سیاسی

وابستگی کے قطع نظر ان کے نظریات مادہ پرستی پر مبنی تھے اسی وجہ سے وہ اندھی دہشت گردی کو نظریاتی رنگ دینا چاہتے تھے۔ دہشت گردی اور گولی صرف گروہ فرقان کا ہی نہیں بلکہ اشتراکی اور مغرب زدہ گروہوں کا وطیرہ رہا ہے اس طرح یہ لوگ اسلام میں اشتراکیت کو اسلام اصل کی نابودی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اسی بنا پر اسلام میں پیدا ہونے والی گمراہیوں کو روکنے والے اس عظیم دیوار کو گرانے کے درپے ہوئے یہ لوگ واقعی طور پر دل کے اندھے تھے۔ کیونکہ باطن کی طرف سے اسلام میں پیدا ہونے والی گمراہیوں کا سدباب کرنے کے لیے استاد کے ایک کمترین کا ہونا بھی کافی تھا اور یہ عنقریب دیکھ لیں گے کہ ایسا ہی ہو گا۔

اور استاد کی خصوصیت اور عظمت اس میں تھی کہ آپ نے اسلامی فرہنگ و ثقافت کو عالمی بنانے اور دنیا کے اسرار اور پردوں کو ہٹانے میں عظیم کردار ادا کیا تھا نیز عالم بشریت کے علم و دانش کی چوٹیوں میں انسانی تواضع اور خضوع و خشوع کی فضا چھائی ہوئی تھی۔ بڑے افسوس کا مقام ہے۔ افسوس اس بنا پر کہ یہ نقصان انسانیت کا ہوا ورنہ ہمیں معلوم ہے کہ تمام منافقین اور تینوں گروہ جن کا ذکر پہلے ہوا کے بارے میں اسی اسلامی معاشرے کی طرف افسوس کا اظہار خوش آئند ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے کافروں اور ایسے مسلمانوں کے بارے میں جن کی بنیاد تقریر سے اور دوسرے طاغوتی اور شیطانی عوامل کے بارے میں یوں فرمایا ہے۔

"ان تمسسکم حسنہ تسوھم ـــــ بما یعملون محیطا"

(ترجمہ) اگر مسلمانوں کو کوئی نیکی پیش آتی ہے تو ان کو برا لگتا ہے اور غمگین ہوتے ہیں لیکن اگر تم لوگوں کو کوئی برائی اور نقصان آ لیتا ہے تو وہ خوش ہونے لگتے ہیں لیکن تم اگر صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی مکاریاں تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتیں ہیں بے شک اللہ تعالیٰ یہ جو کچھ کرتے ہیں اس سے آگاہ ہے اور اس کا علم چھایا ہوا ہے۔

ہم بھی قرآن کے حکم کے مطابق صبر کریں گے استاد اور اس کے محکم اسی اور جو عروۃ الوثقیٰ جیسے افکار و نظریات کو سامنے رکھ کر ہم آپ کی سیدھی راہ اختیار کریں اور اسلام میں کسی بھی قسم کے انحراف کی اجازت نہیں دیں گے اور اس کے تقویٰ اور حق کے عرفان کو اپنے لیے نمونہ عمل قرار دیں گے اور اسلام کی شناخت اور اس پر عمل کرانے میں فرقہ بازی اور گروہ پروری کو جگہ نہیں دیں گے اور حقیقت کے علاوہ اور کسی چیز کو معیار قرار نہیں دیں گے اور ہمارا معاشرہ ان اثرات کی وجہ سے مطہری شہید کا سایہ بن سکے۔ جس میں بھیڑیوں کے عفونت بار پنجوں کو اس کے پاک خون تک پہنچنے کی راہ نہ ملے خدا ان کی روح کو روح کو شاد کرے۔

مدرسہ فیضیہ میں آپ کے ایصال ثواب کے لیے منعقد کی گئی مجلس سے امام کا خطاب

اعوذ بااللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

مکتب اسلام ، مکتب توحید کا دوسرے ایجادی اور گمراہ فرقوں سے ایک فرق یہ ہے کہ اس مکتب کے افراد شہادت کو اپنے لیے ایک عظیم کامیابی جانتے ہیں " یالیتنی کنت معکم فافوز معکم فوزا عظیما " پڑھ کر شہادت کا استقبال کرتے ہیں ۔ چونکہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس عالم طبیعت سے اوپر تمام جہانوں سے اوپر ایک نورانی تر عالم ہیں مومن اس دنیا میں تو قیدی ہے اور شہادت کے بعد زندان سے باہر نکل جاتا ہے ۔ یہ ایک بڑا فرق ہے جو ہمارے مکتب اور دوسرے تمام ادیان میں ہے

ہمارے نوجوان شہادت کی آرزو کرتے ہیں ہمارے علماء شہادت کی طرف قدم بڑھاتے ہیں ڈریں وہ لوگ جو خدا اور روز جزا پر یقین نہیں رکھتے وہ شہادت سے ڈریں ہم اور مکتب توحید کے شاگرد شہادت سے نہیں گھبراتے وہ آئیں امتحان لیں چنانچہ امتحان ہی ایک نکتہ ہے جس نے تحقق پایا یہ ہے کہ خدا کے ارادے سے ، فاجر لوگوں کے ذریعے سے ہمارے دین کی مدد ہوتی ہے محمد رضا کے ذریعے جو ایک مرد فاجر تھا

چارو ناچار اس دین کی تائید ہوتی وہ اس لیے کہ ظلم جس قدر بڑھ جائے گا۔ ستم جس قدر زیادہ اسی نسبت سے دین عدل کی زیادہ تائید ہوگی۔

ظالم اپنے ظالمانہ احکام اور اعمال کے ذریعے دین کی تائید کرتا ہے ۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے ۔ فرعون اپنی سرکشی اور فرعونیت کے ساتھ موسی کے دین کی تقویت کا باعث بنتا ہے۔

اور ابوسفیان سرکشی کرتے ہوئے رسول اکرم کے ذہن کی تائید کرتا ہے اسی طرح محمد رضا خان اپنے ظلم و ستم اور سرکشی و نافرمانی کے ذریعے دین اسلام کی تائید کرتا ہے ۔ جس طرح علماء اور مفکرین کے طبقہ کے ذریعے ہمارے دین کی تائید ہوئی خداوند عالم فرماتے ہیں کہ فاسد عناصر کے ذریعے بھی دین کی مدد ہوتی ہے فاجر اشخاص کے ذریعے بھی دین کی تائید ہوتی ہے۔ جب کہ میں نے کہا کہ وہ انھی معنوں میں ہے کہ تائید کرتے نہیں بلکہ تائید ہوتی ہے۔

ہر فاجر شخص نے جس نے ہمارے عزیز کا خون زمین پر بہایا اس نے دین خدا کی تائید کی ۔ یعنی خدا نے ان کے ذریعے ایسے دین کو مدد دی ہمارے عزیز کے خون کے ساتھ ہمارے انقلاب کی تائید ہوئی کہ اس انقلاب کو چاہیے کہ زندہ رہے یہ تحریک زندہ رہے اس کی زندگی اسی طرح خون دینے میں ہے ۔ اس سے ہمیں دائمی زندگی حاصل ہوتی ہے ہمیں قتل کرو تمہارا ایسا کرنا ہماری ملت کی بیداری کا سبب ہے ۔ ہم موت سے نہیں ڈرتے ۔ ہماری موت سے بھی تمھاری کفاست نہیں ہوگی یہ تمھاری

کمزوری کی دلیل ہے کہ رات کے اندھیروں میں ہمارے مفکروں کو قتل کرتے ہو اس لیے ایسا کرتے ہو کہ تم عقل و منطق سے عاری ہو اگر کوئی عقل و منطق ہوتی تو بات کرتے بحث کرتے مگر تمھاری تو کوئی منطق ہے ہی نہیں تمھاری منطق تو دہشت گردی اور گولی ہے اسلام کی منطق دہشت گردی کو باطل قرار دیتی ہے کیونکہ اس کی ایک منطق ہے ہمارے بزرگوں کو قتل کرکے ہمارے بڑے لوگوں کو قتل کرنے سے ہمارے اسلام کی تائید ہوئی ہے ۔ ہماری تحریک زندہ ہوئی۔ ایران کے تمام طبقات میں زندگی نے دوبارہ زندگی پائی ۔ اگر اس میں کمزوری اور ضعف پیدا ہوا تھا تو قوت پائی

اگر یہ عظیم شخص اپنے بستر پر مر چکا ہوتا تو یہ تائید حاصل نہ ہوتی یہ موج پیدا نہ ہوتی۔ اب ساری دنیا پر ایک موج اڈ پڑی ہے تمام عالم اسلام پر یہ موج بلند ہوئی ہے تمام ممالک میں بلند ہوئی ہے۔

میرے بھائیو

موت سے نہ ڈرو

آنکہ مرد پیش چشمش تھلکہ است

نہی لاتلقوا بگیرد او بدست

مرنا ہلاکت نہیں ہے ۔ مرنا زندگی ہے ۔ وہ زندگی کی دنیا ہے ۔ یہ دنیا مردہ ہے مرنے سے مت ڈرو اور ہم نہیں ڈرتے موت سے وہ ڈریں جو موت کو فنا سمجھتے ہیں۔

مسلمان موت سے کیوں ڈریں ؟ علما موت سے کیوں ڈریں ؟

یہ ہمیشہ رہنے والی ملکیت ہے اسلام کا مکتب ہمیشہ رہنے والا ہے یہ تحریک ہمیشہ رہنے والی ہے۔

خدا تمھاری مدد کرے ان بدبودار جزوں کے قطع ہونے تک ان کمزور سازشوں کے ختم ہونے تک ان بدبودار چیزوں کے زیر زمین جانے تک خدا تمھاری مدد کرے خدا ہمارے بھائیوں اور بہنوں کی مدد کرے۔ جو تمام اسلام کے لیے مفید ہو۔ تم اس تحریک کو آگے بڑھاؤ۔ اب ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ایک ہو کر آگے بڑھو

والسلام علیکم و رحمتہ اللہ وبرکاتہ

personality of the men of Islam. They should bear this in mind that with the demise of great personalities, our people will become more determined in fighting against corruption, God. Our nation has found its way and will not stop at anything until all rotten remnants of the former regime and their dastardly supporters are eradicated. The belived Islam continued its path from the time of the revelation to date upon martyrdom mixed with courage."

In this way, Imam Khomeini paid tribute to the Islamic personality of Martyr Mutahhari; a living martyr who, during his life time, analyzed the Islamic and philosophical issues with a mighty thought and influential pen and left invaluable works.

May he be remembered forever, his soul rest in peace and his path, followed.

momentum. Mutahhari stepped up his political activities and left Tehran for Paris to meet Imam Khomeini there. During this visit, Imam Khomeini assigned him the task of forming the Revolution Council and he performed his the task his task in the best way possible. After Imam Khomeini's return to Iran, Mutahhari was with him all the time. Finally, on May I, 1979, Professor Mutahhari achieved martyrdom through the Furqan group while he was leaving a meeting of the Revolution Council.

His pure blood revived the Islamic Revolution sice he himself said, "The blood of a martyr is never wasted because every drop of his blood will become thousands of drops and even tons of blood and it is injected into the body of society. Martyrdom is the injection of blood into the body of society, particularly at a time when the society suffers from a lack of blood."

The following day, Imam Khomeini, with tears in his eyes, said, "I lost a beloved child and mourn for him who was the output of my whole life. Although I have lost a very dear son, yet I take pride in the fact that Islam enjoys such self-sacrificing sons. Mutahhari who was unique in his pure soul ad his strength of faith as well as his power of speech departed from this world and approached the heavens.

The ill-wishers should know, however. that this Islamic, scientific and philosophical personality will not die with his demise. Terror cannot assassinate the Islamic

straight forwardness.

5. Professor Mutahhari could use his innovation in bringing up solutions for questions and problems pertaining to philosophy, religion, society and morality. He also utilized logical methods in proving Islamic principles and this can be seen through his works.

Regarding Mutahhari's talent, his teacher, Allamah Muhammad Husein Tabatabai says, "Whatever I said and taught about various fields, I was sure that I did not waste my breath in the presence of Mutahhari."

6. It goes without saying that so long as man is not freed spiritually and morally and so long as he has not built himself and has not purified himself from selfishness and egoism, his efforts towards reaching truth will be use less. The Professor was a living example of a liberated person enjoying comprehensive and mystic talents. He possssed knowledge and piety together While being attracted to gnosticism and spiritual awareness, he was not distracted from social and political awareness, he was not distracted from social and political issues. He found himself obliged to accept the invitations to teach in various places and regarding various subjects and he did not refrain from participating in private discussions wherever he found it to be of use. He was also a very active writer and believed that with hard work, shortcomings should be overcome.

In 1978, when the Islamic Revolution gained

In his speech delivered at the Faculty of Theology, in February 1979, he said, "Any school of thought believing in its ideology should inevitably support freedom of expression and thought. On the contrary, any school of thought which does not have faith in its ideology blocks the way of the freedom of thinking and expression. Such school seek to keep the people within a limited intellectual framework and prevent the growth of their thoughts."

"...I hereby announce that in the Islamic Republic, there will be no limit upon thoughts and there will be nothing as channelization of thoughts. Of course all should be free to present the outcomes of their thoughts and thinking. I should say here that this is totally different from designation or planning conspiracies. Nobody has the right nor are they allowed to plan conspiracies but the presentation of genuine thoughts should be free.

"...I hereby announce to all non-Muslim friends that thinking is free from the point of view of Islam. You are free to think anyway you wish and to express it providing it is your own thought. Your are free to write down your thoughts and nobody will prevent you from this..."

"...Islam has been able to continue its existence due to this liberty. At the advent of Islam if people who claimed not to believe in God were killed or beaten, nothing such as Islam would have existed today. Islam existed because it faced the various thoughts with courage and

mechinization have not been discussed by anybody else. Many people including those adhering to socialism, have mentioned public ownership of machines but the Professor believes that none of them are based on a logical base and the viewpoints of the Marxists and other individuals are more sentimental. They negate individual ownership in machines according to their inclination by nature that economic exploitation and oppression should not exist.

2. He enjoyed a great ability to listen and real all viewpoints and sayings of a philosophical, religious and social nature. This is necessary for anyone who considers himself committed and responsible. He should first study the beliefs and ideas of various religions and schools of thought impartially and reject those which are the sources of deviation and then present correct answers and ways. This method was applied by the Professor which can be traced in almost all of his works.

3. In quoting the opposition, he never resorted to change them and he quoted them exactly the way they were. Because of being involved in research activities, the Professor had to quote the ideas and beliefs of various schools of thought an in his books, he quoted them directly with out changing hem.

4. He was a staunch supporter of free expression and freedom of thinking. He had verily understood that the only way to safeguard Islam is throught the power of science and freedom of expression of the opposition.

"...An Islamic society is a natural society and not a discrimination one and not a society based on negative equality. Your will work according to your talent and you will receive according to your work."

Professor Mutahhari also made wide-scale study regarding economy and ownership. Regarding the ownership of machinery, he believed in the supreme religious leadership decree ***(ijtihad)*** because, according to him, invention of machinery was a new phenomenon which did not exist in Islamic jurisprudence before as well as customs, insurance and banking. Religious decrees regarding these issues should be issued gradually. He believed that the machine is not a means off production because tools have definition and limits. Tools, in his point of view, are those enabling human beings to work better, such as a spade. In other words, they follow and facilitate the work of a worker but the machine is not a tool and its nature is different because the machine does not follow the worker. Rather, it is a productive force by itself which creates work. Regarding the machine, it works while man watches. Above all, there are machines which create other machines such as human beings who produce other human beings. Mutahhari reaches his conclusion that the machine is not defined as tools because of its nature. In his words, the situation of the machine corresponds with that of slavery in Islam and in Islam, tools have an owner and not the machines because there is no economic slavery in Islam.

The viewpoints brought about as to machine and

in this regard.

At first, the word `world view' is defined and then the importance of it is studied. This fact that all religions and schools of thought and action as well as social philosophies are based on a kind of world view are discussed. Later the sentimental world is brought up and its differences in view are pointed out. The Professor reached the following conclusions, "A world view builds the pillars of an ideology or a faith when it becomes religious."

Finally, the issue of mankind and approaching the unity of the reality of human nature and also the approaching of human society towards unity and solidarity in a harmonious social system moving towards perfection ifs discussed. Three views of materialism, idealism and realism in this regard are dealt with and compared with one another and the view of realism which is that of Islam is accepted "Classless Islamic society, means a society without discrimination, deprivation, false-gods and with justice and without oppression. It is not an indifferent society sice remaining indifferent is an oppression and injustice by itself., There is a distinction exists between discrimination and differences, just as differences exist in the creation of the world and such differences have given beauty, variety, progress and perfection. But discrimination does not exist in it. The Islamic utopia is a place without discrimination and not one without differences. Islamic society is the society of qualities and brotherhood."

and he criticize them.

Knowing Marxism was one of the specialities of the Professor and a great deal of his life was spent on studying and researching about this school of thought. He was well-informed of the differences between it and divine philosophy. Mutahhari dealt with roots of inclination towards materialism and Marxism both in Iran and the world in his book ***The reasons for Inclination Towards Marxism***. He pointed to the various aspects of the issue from the philosophical, religious, historical, social and economic points of view.

In a part of this book, he wrote, "The reasons and factors mentioned earlier under the titles of shortcomings of church meanings and understandings and European philosophical tenents, a new wave was born holding either science or religion, knowledge or God. But soon this false wave was demolished and it became clear it was baseless. The attraction of materialism in our times stems from another side and that is from its so-called revolutionary and struggling nature."

With the escalation of the Revolution and increase of the struggling spirit, the current of mixing with the western and eastern philosophies came into existence and Mutahhari, in order to combat these deviations, wrote a book entitled ***The World View of Monotheism***. In this book, the view of Islam regarding the world is explained and the issues of monotheism and justice are dealt with

our affection for our homeland and that is why our ancestors rendered the most valuable and greatest services to Islam from various aspects.

In a part of this book, Mutahhari writes, "Colonialism, in pursuance of its policy of `divide and rule', found no better ay than attraction the attention of the Islamic states and nations to their nationalities and ethnic issues and honors: To tell the Indians that they had such and such a background; to inject in the minds of the Turkish youth to create a pan-Turkish movement and to tell the Arabs, who are more ready that any other people for this kind of prejudice, that they should rely upon pan-Arabism and, finally, to tell the Iranians that they are from the race of the Aryans and, therefore, superior to the Arabs who are from the Semitic race."

"...The common issues of Islam and Iran are matters of pride for both Islam and Iran. As to Islam, it is a religion which, due to its rich content, it was able to attract a civilized nation towards itself and as to Iran, it is a nation which loves truth without any prejudice and is ready to sacrifice upon its path."

The other issue of that time was that of materialism. Mutahhari's combat against Marxism started with his book entitled ***Principles of Philosophy and Method of Realism.*** This book deals with the ideas of the Islamic philosophers and in each case, he made footnotes regarding the ideas of other schools of thought including Marxism

which means covering. The word ***hijab*** has two meanings, first, covering and second, curtains and its is more used in its latter sense and not as a covering for the body.

"Women's covering means that women in their contacts with men should cover themselves and should not show themselves off to men. Covering in Islam stems from a more fundamental and general matter and that is all sexual passions and carnal enjoyments should be devoted and limited to the family circle and in the framework of a legal marriage so that society remains purely for work and social activities. This Islamic approach is totally against the western system in which carnal desires are mingled with social activities at the present time/"

Professor Mutahhari in his book ***The Rights of Women in Islam*** brings about one of the most vital and sensitive issues of society and that is the system and order of woman's rights. In this work, the Professor first tries to trace the roots and reasons for this issue and, following that, he refers to the outlook of the Quran regarding the system of woman's rights from various points of philosophy, psychology and sociology.

Mutahhari in the book ***Mutual Services of Islam and Iran*** gives a studied response to a current of that time aimed at provoking one dimensional feelings of nationalism and alienation from Islam and Iran in order to weaken the Islamic attraction and love of the people of Iran. He clearly pointed out that our faith and belief is not against

thoughts in various fields, be they fundamentals of Islam or supplementary. That is why I found it my responsibility to fulfil my duty in this regard as much as I could."

The Professor started writting the book, ***The Rights of Women in Islam and The Issue of the Islamic Modest Dress (hijab)*** as well as giving lectures at a time when he witnessed that colonialism was trying hard to change the people's culture and damage the Islamic modest dress in order to change liberated Muslim women into void commodities serving the animal desires of men; at a time when efforts were made to separate the family from its Islamic and genuine values and to turn the Muslim Iranians into creatures who do not mind being plundered, looted or being enslaved. Mutahhari, who could not tolerate witnessing such things, and remaining indifferent, arose in resistance and started to write, talk and deliver various speeches in this regard.

In his book, ***The Issue of the Islamic Modest*** Dress, he writes, "Nudity is undoubtedly the disease of our time and this will be introduced as an ailment sooner or later. Supposedly if we imitate the West blindly, the western pioneers themselves will announce the nature of this phenomenon. But I fear it might become too late to wait for them to announce it.

"...using the term ***hijab*** regarding the covering of a woman is a relatively new expression. The Islamic Jurisprudent have utilized the word sitr instead of ***hijab***

partially existed in his nature and partially accrued over the long years of hard work and self-purification. Some of the characteristics of the Professor were:

1. Deep and thorough research and study regarding ideological and social matters of the people. Those who knew well that the subjects of his talks were all those which require a thorough investigation and a great deal of thought. These subjects were both social and religious.

The Professor in this regard says, "From the time that I took up the pen to write, which was almost 20 years ago, my only goal in writing has been to find solutions for the problems which exist in our time in various fields of Islam. Some of my writings are philosophical, social, ethical, as well as pertaining to Islamic jurisprudence and history. Although the subjects of these writings are different and, in some cases, they are contrary to one another, yet, the goal pursued in all of them was a single one.

The holy religion of Islam is an unknown religion and realities pertaining to it have gradually been presented upside down to the people. The reason behind this lies in incorrect teachings given to the people under this name. This holy religion is presently receiving blows from those individuals who claim to support it more than any others. The attack launched by western colonialism with its manifest and hidden agents on the one hand, and negligence and sluggishness of those who claim to support Islam at this time, on the other, have resulted in attacks to Islamic

arrested and was imprisoned for 43 days. He was later released due to the pressure exerted by the people and the migration of a number of Muslim clergy to Tehran.

All links of the people with Imam Khomeini had been off at this time and individuals such as Mutahhari were shouldering heavy responsibilities in this regard. In November, 1964, Imam Khomeini was sent into exile first to Turkey and later to Iraq and in order to confront the situation, the Muslim clergy sought to organize themselves. As a result, 'The society of Combatant Clergy' wasformed and the Professor served as a key member and Imam Khomeini's representative at the society. Mutahhari endeavoured a long struggle during 1964-77 to promote Islamic principles with his numerous speeches in various universities and Islamic Associations. Professor Mutahhari played an important role in guiding and leading the Islamic Coalition Parties which had taken up arms against the dectatorial regime of the deceased Shah. He had been assigned in this task by Imam Khomieni.

After the submission of the Capitulation Bill to the Iranian Parliament and its approval, Imam Khomeini, in his speech, condemned this treacherous act. According to this law, the American military advisors in Iran were immune from any sort of legal prosecution and they could do whatever they wished. As a result of this condemnation, Imam Khomeini was arrested and sent into exile to Turkey. This method of thinking and the scientific activities of Martyr Mutahhari enjoy particular characteristics which

Materialism in Iran
Unseen Supports in Human Life
The sun of Religion Never Sets
Management and Leadership in Islam
The Rights of Women in Islam
The Issue of the Islamic Modest Dress (hijab)
Sexual Morals in Islam and in the West
Mutual Services of Islam and Iran (2 volumes)
Divine Justice
A Review of the Nahji ul-Balaghah
Human Beings and Fate
The Attraction and Distraction of Iman: Ali
The Uprising and Revolution of Imam Mahdi According to the Philosophy of History
Islamic Movements in the Last 100 years
Social Evoultion of Islam
True Stories (2 volumes)
Society and History
Eternal Life or Life in the Hereafter

In addition to the above mentioned books, Martyr Mutahhari has left a number of speeches and essays recorded on tapes.

The political activities of Professor Mutahhari gained momentum during the Islamic Revolution of June 5, 1963 in which the Muslim clergy played a very important role and many of them were arrested and imprisoned. Mutahhari in the middle of the night of June 5th was

In 1953, Professor Mutahhari arrived in Tehran and married the daughter of a well known Muslim clergy of Khorasan. He rented a room to live in. From this year, he started writing his numberous books. His first work was ***Philosophy and Method of Realism*** which appeared in 1954. He was invited to teach at the Faculty of Theology and Islamic Sciences in 1956 and he continued his teachings there for 22 years. During this period, in addition to teaching and researching, he eagerly studied various fields of Islamic culture and took part in various deliberations appertaining Islamic jurisprudence, literature, philosophy, social and historical subjects. He was striving to train and educate the young generation and therefore delivered many speeches on various Islamic subjects in the different university as a stronghold in order to have constant contacts with religious intellectuals and uninformed westoxicated ones. During the years 1958-71, and even after that, he was almost a constant speaker at the Association of Muslim Doctors. Most of the books written by Mutahhari are the outcome of this period. Meanwhile, working at the university helped him to create links between the university and theological schools and many university memebers were sent by him to the theological centres to teach or to be taught. Mutahhari actually worked hard to bridge the gap between these two organs.

Some of the works of Ayatuallah Mutahhari which have been published are as follows:

The Reasons of Inclination To wards Materialism

Allamah Tabatabai. He wrote the book ***Principles of Philosophy and Method of Realism*** which has played a determining role in the past 20 years and proved the baselessness of the materialistic school of thought.

During the course of his studies in the Qum Theological School, another chapter is opened to Professor Mutahhari and that was his familiarity with the problems pertaining to Islamic society as well as political and social activities. For a person such as Mutahhari who closely studied the problems and made efforts to find solutions for them and a person who loved Islam and Islamic society, everything relating to the destiny of Muslims and that of Islam were important to him. One the other hand, undergoing training in the classes of personalities such as Imam Khomeini who always called his students to strive to correct society and promote Islam, could be another factor for directing the attention of Mutahhari towards dealing with Islamic society. As a result, during the years of 1949-1951 when the waves of the country, the Professor also was involved in them and was in touch with most of the Islamic groups, demanding the correction of the Islamic society. One of such groups was the Fadayin of Islamic or 'sacrificers for Islam'.

During his studies, whenever the Professor found time in his meetings with other students and at other opportune moments, he revealed the social problems and, in most cases, when there was a gathering, he was the key speaker. His words were attractive and influential.

fore. I always regard myself as being indebted to him."

In the summer of 1942, another event took place in Mutahhari's life which later served in shipping his scientific and spiritual personality and that was his getting to know the late Hajj Mirza Ali Shirazi Isfahani. Through this emeeting, he came to know the ***Nahj ul-Balaghah*** of Imam Ali which was a very valuable book to him. It was at this time that he found special interest in this book and its multi-dimensional aspects. A book entitled ***A Review of the Nahj ul-Balaghah*** was a small part of his work that he wished to complete but he was not able to do so. The year 1942 has been one of the important landmarks in Mutahhari's life and in addition to attending the classes of the great teachers such as Imam Khomeini, Ayatuallh Borujerdi and Allamah Seyyid Muhammad Husein Tabatabai, he himself was teaching various subjects.

In the year 1947, Professor Mutahhari came to know the schools of thought based upon materialism. Due to his love for studying philosophy, he started studying them thoroughly. He contained his studies in this regard to the end of his life, both in divine philosophy and the material one and in this way he was able to distinguish these two philosophies and compare them and thus he could safeguard the authenticity of the universal outlook of Islam vis-a-vis materialistic thoughts.

In 1951, Mutahhari attended the classes of the late

not familiar with their thoughts. I was more interested in them than in inventors, explorers and other scientists. This was just because I considered the former group as the heroes of the world of thoughts."

The old theological School of Mashhad is one of the theological schools of the country which suffered a great deal of hardship at that time when Raza Shah, the first tyrant of the Pahlavi Dynasty, ruled the country and the situation of the students and scholars was so bad and it was on the verge of dismemberment and collapse.

At this period of time, Professor Mutahhari decided to go to the holy city of Qum to continue his Islamic studies there. At the age of 18, he left Mashhad for Qum and stayed in this city for 15 years. He received valuable training from great teachers, particularly, Imam Khomeini, who was according to Mutahhari, the lost person he was looking for.

In this regard, Mutahhari said, "This lessons in ethics taught by my beloved personality every Thursday and Friday were actually the teachings of treading the divine path and gnosticism, not just ethics in its lifeless and scientific form. I was being over whelmed with his teachings in such a way that I found myself a great deal under their influence until the next Monday and Tuesday. A great part of my intellectual and spiritual personality was formed during those classes and similar ones which I underwent for 12 years from that divine teacher. There-

the existence or negation of God which has, from the beginning of his tory, has been one of the most sensitive and interesting subjects. Regarding this issue, Mutahhari himself says, "As I remember, at the age of 13, this feeling overshadowed m being and I found a strange sensitivity about the issues pertaining to the existence of God. Various question, of course, in relation to my age, were rushing into my mind. During the first years of my migration to the city of Qum when I was busy studying the Introduction to Arabic, I was so engaged in these thoughts that I felt like being alone and this feeling had gone as far as not even tolerating my roommate. Thus I divided the room and made my room like a dungeon to be alone with my thoughts. At that time, I did not wish to think about other things in my free time. Actually, I had found it a waste of time to deal with other issues before finding my answers to this vital question. I was learning Islamic Jurisprudence and Logic merely for the purpose of gradually being able to study the ideas of the great philosophers in this regard."

Here, a very important factor enters the life of Mutahhari which undoubtedly has played a significant role in shaping his scientific and philosophic personality and that is his eagerness to learn philosophical and mystic thoughts. At the end, he himself, became a great hero of this scene of thoughts.

He says, "I can recall that from the time I began studying Arabic in Mashhad, I attached great value and superiority to the philosophers and thinkers, although I was

A Short Biography of Professor Mutahhari

Mutahhari was born on February 2, 1920, in Fariman located in the Iranian eastern province of Khorasan. His father was a very virtuous man who staunchily followed the rules and principles of Islam. He grew up in such a family and from his childhood, Morteza seemed to be different from others. He loved cleanliness and piety and refrained from bad conduct. Morteza was truly eager for learning and education and enjoyed great talents.

After finishing elementary school in his home town, he went to the city of Mashhad to undergo religious education since he loved Islamic studies. Morteza started his Islamic studies at the age of 13 in 1933 in Mashhad and studied logic, philosophy, Islamic law and Arab literature. During this period, his mind witnessed a transformation the results of which were vivid in his thoughts, actions and behaviour. This transformation was related to